رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۱۷۹

Digitized by Khilafat Library Rabwah

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ

عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

دُنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

(یعنی)

ریویو آف ریلیجنز اردو رسالہ

ایڈیٹر۔ قاضی محمد ظہور الدین اکمل

چندہ سالانہ ہندوستان میں تین روپیہ ہندوستان سے باہر سے ساڑھے تین روپیہ

نصف قیمت طلبا اور غریب احمدیوں سے لی جاتی ہے

جلد | ستمبر ۱۹۲۸ء ✣ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ | نمبر ۹

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ	مصنف
مُردہ دفن کیا جائے یا جلایا جائے	۳۲۱ / ۳۲۷	چوہدری ڈاکٹر محمد شاہ نواز صاحب افریقہ
اسلام کی حقیقت بجواب کن فیکون کی حقیقت	۳۲۸ / ۳۳۶	چوہدری محمد یار صاحب مولوی فاضل
قرآنی پردہ نمبر ۲	۳۳۷ / ۳۴۸	ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب اسسٹنٹ سرجن
مسئلہ ختم نبوت	۳۴۸ / ۳۵۲	مولانا سید شفیع احمد صاحب دہلوی مؤلف قول سدید
حیات بعد الموت	۳۵۳ / ۳۵۶	مولانا جلال الدین صاحب شمس از حیفا
مسلمان حکمرانوں کا غیر مسلم رعایا سے حسن سلوک	۳۵۷ / ۳۵۹	ملک فضل حسین صاحب احمدی مہاجر
متفرقات	۳۶۰	

مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں طبع ہوا۔ عبدالرحمن جیلوحی قادیانی پرنٹر و پبلشر نے چھاپا اور صدر انجمن احمدیہ قادیان کے لئے شائع کیا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

آج سے بعد

اس صفحہ پر ان معاونین مخلصین کے اسماء گرامی شائع ہوا کرینگے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس آرزوئے مبارک کے پورا کرنیکے لئے کہ

ریویو کے کم از کم دس ہزار خریدار ہوں

پوری پوری کوشش فرمائینگے اور ہمیں ایک نہ ایک خریدار پیشگی قیمت دینے والا مہیّا فرما دینگے۔ ایسے لوگ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی دعاؤں سے حصّہ لینگے جو وہ ہر خدمتگزار دین کیلئے فرماتے ہیں۔ کیونکہ آنجناب کو حضرت مسیح موعودؑ کی آرزو ایسی محبوب ہے کہ آپنے ریویو کی طرف تمام تر توجہ لانے کے لئے اپنے رسالہ تشحیذ الاذہان کو بند کرا دیا۔

پس میرے دوستو! اُٹھو! بڑھو!! ہمت کرو!!! اور ریویو آف ریلیجنز اُردو کی توسیع اشاعت میں خاص طور سے حصّہ لو۔ اور تین مہینے کے اندر اندر

ایک ہزار خریدار نئے

مہیّا کر کے دنیا پر ثابت کر دو۔ کہ احمدی جماعت کے افراد

تھوڑی سی توجّہ سے بہت بڑا کام کر لیتے ہیں

مجھے امید ہے کہ میری یہ تحریر رائگاں نہ جائیگی اور میرے اس نیک ظن کو احباب عملی لباس پہنا کر دکھا دینگے۔ اسوقت ریویو آف ریلیجنز۔ اخراجات کے اعتبار سے ایسی حالت میں ہے کہ اس کا اپنے خرچ پر چلانا دشوار ہو رہا ہے۔ رسالہ آپ کی خدمت میں مقررہ حجم پر بالکل باقاعدہ پہنچایا جا رہا ہے۔ مضامین بھی حسب ضرورت وقت جامع سے جامع شائع کیے جاتے ہیں۔ ٹائٹل وغیرہ کی ظاہری خوشنمائی فنڈ کی تقویّت پر منحصر ہے جو ہمارے بس کی بات نہیں۔ احباب کی ہمّت مطلوب ہے ؎

نیازمند ایڈیٹر و مینجر ریویو آف ریلیجنز اُردو۔ قادیان

الفضل کا

خاتم النبیین نمبر قیمت ۴؍ ۔ جلد منگوائیے ؎

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مُردہ دفن کیا جائے یا جلایا جائے
سائنس جدید کی روشنی میں

(جناب ڈاکٹر چوہدری محمد شاہ نواز خاں صاحب ایم۔بی۔بی۔ایس۔ نمارنگی مشرقی افریقہ)

مختلف ملکوں اور مختلف قوموں میں مُردوں کو الوداع کہنے کے مختلف طریق پائے جاتے ہیں۔ اور بعض ان میں سے نہایت حیرت انگیز اور جذبات انسانی کو ٹھیس لگانے والے ہیں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ جتنی کوئی قوم تمدن اور تہذیب کے ادنیٰ درجے پر ہے۔ اتنا ہی اس کا مُردوں کو رخصت کرنے کا طریق ابتدائی ہے۔

بعض حبشی اقوام خصوصاً ان کے خانہ بدوش قبائل کا یہ طریق ہے کہ جب کوئی ان میں سے فوت ہو جائے تو اسکو وہیں چھوڑ کر اپنی جھونپڑیاں دوسری جگہ بدل لیتے ہیں۔ افریقہ کی قوم دان یم دلسی کا یہ طریق ہے کہ وہ مُردوں کو جنگل میں لے جاتی ہیں۔ جہاں انکو درندے اور شکاری جانور کھا لیتے ہیں۔ گنی (مغربی افریقہ) کے بعض لوگ مُردوں کو سمندر میں پھینک دیتے ہیں۔ ایک اور قوم کام چاڈیل ہے۔ وہ لوگ اپنے ساتھ مُردوں کو کھانے کے لئے کتے رکھتے ہیں۔ انکا خیال ہے۔ کہ جس کی لاش کو کتے کھائینگے وہ اگلے جہان میں نفیس کتوں کے مالک بنینگے۔ پارسی لوگوں کا یہ طریق ہے کہ وہ مردوں کو ایک مکان میں چھوڑ آتے ہیں جسکو خاموشی کا مینار کہا جاتا ہے۔ اور وہاں مردار خور جانور گدھ وغیرہ انکا خاتمہ کرتے ہیں۔ ڈاہومی (افریقہ کے مغربی ساحل کے لوگوں کے متعلق سُنا جاتا ہے۔ کہ ان میں یہ رواج ہے کہ جو شخص بجلی سے ہلاک ہو۔ اسکے جسم کے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ اور انکو انکے علماء۔ اور مذہبی لوگ کھاتے ہیں۔

مہذب ممالک میں صرف دو طریق رائج ہیں۔ یعنی مُردوں کو دفنانا اور جلانا۔ بعض جگہوں پر لاش کو درخت کے ساتھ لٹکا دیتے ہیں حتّی کہ وہ بالکل سوکھ جاتی ہے۔ بعض قومیں مُردوں کو لٹکا کر سکھاتی ہیں۔ اور عورتوں کی میّت کو دفن کرتی ہیں۔ قدیم مصر میں مُردوں کو مصالحہ وغیرہ جسم میں داخل کر کے اپنی اصلی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہر دو آیات کا تعلق ٹھیک ایک دوسرے سے بالکل پیوستہ ہے" چنانچہ ان دونو آیتوں کو ملا کر ہی معترض نے مندرجہ بالا ترجمہ کیا ہے۔ حالانکہ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان پر ایک ایسا زمانہ ضرور آیا ہے جبکہ وہ کوئی چیز ہی نہ تھا جس کا ذکر کیا جاسکے۔ اب اگر مہاشہ صاحب کے خیال کے مطابق مادہ پہلے موجود تھا اور یہی قرآن کریم سے ثابت ہے تو پھر اس کا کیا مطلب ہوا کہ انسان کوئی چیز ہی نہ تھا جس کا ذکر کیا جاسکے کیونکہ اگر مادہ کے باریک سے باریک ذرات بھی موجود ہوں تو انکا بھی ذکر کیا جاسکتا ہے۔ پھر عربی زبان کے لحاظ سے اگر ان دونو آیتوں کا ایک ہی مفہوم ہوتا تو انا خلقنا الانسان کی جگہ انا خلقناہ لایا جاتا کیونکہ الانسان کا لفظ پہلے آچکا ہے پس بجائے ضمیر کے دوسری آیت میں الانسان کا آنا ثابت کرتا ہے اس بات کو کہ اس کا مفہوم اور مطلب پہلی آیت سے جداگانہ ہے۔ پس اس آیت میں ابتداء خلق کی طرف اشارہ ہے خواہ وہ آدم علیہ السلام ہوں یا کوئی اور مخلوق ہو۔ لیکن ابتدائی مخلوق کی پیدائش کے ساتھ یہ بھی ذکر فرما دیا کہ :- انا خلقنا الانسان من نطفۃ کہ اب انسان کو نطفہ سے پیدا کیا جائیگا کیونکہ اب نیست سے ہست کرنیکی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ پنڈت دیانند صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے کہ ہر سرشٹی کے شروع میں انسان گھنبوں کی طرح زمین سے اُگتے ہیں۔ لیکن بعد میں پھر نطفہ سے ہی پیدا ہوتے ہیں

قولہ - دوسری بات مندرجہ بالا آیت زیر بحث کی نسبت یہ ہے کہ اس آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہوتا ہے کہ کیا انسان پر ایک وقت زمانہ میں ایسا نہیں آیا جبکہ اسکا کچھ ذکر نہ تھا۔ یہ آیت بالکل غیر موزوں طریقہ سے آئی ہے اگر اس آیت کے شروع میں یقول الذین کفروا اور دوسری آیت کے شروع میں لفظ قل ہوتا تو بطور سوال و جواب کچھ مطلب صاف ہو جاتا۔

اقول - معترض کو اگر عربی زبان سے کچھ بھی واقفیت ہوتی تو وہ یہ اعتراض نہ کرتا کیونکہ ان معنوں کے لحاظ سے جو اوپر ثابت کئے گئے ہیں ان دونو آیتوں کا مطلب ہی الگ الگ ہے نہ ہی پہلی آیت بطور سوال کے ہے اور نہ دوسری جواب۔ لیکن اگر بقول معترض دونو آیتوں کا مفہوم ایک ہی تسلیم کر لیا جائے تو بھی پہلی آیت میں کسی سے سوال نہیں بلکہ استفہام تاکید کے لئے آیا ہے تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ضرور انسان پر ایک ایسا زمانہ آیا ہے جبکہ وہ شئے مذکور نہ تھا۔

قولہ - علاوہ اسکے علماء اسلام کا ھل اتی علی الانسان والی آیت میں لم یکن شیئا مذکورا سے یہ مطلب نکالنا کہ اس میں آدم کا ذکر ہے از روئے قرآن واقعات کے خلاف ہے کیونکہ بموجب مصنف قرآن نے آدم کو بناتے وقت فرشتوں سے مشورہ کیا تھا تو اس وقت فرشتوں نے علانیہ کہدیا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

تھا کہ اتجعل فیھا من یفسد فیھا (یعنی زمین میں ایسا شخص رکھیگا جو فساد کریگا) یہ ایسا معقول جواب تھا کہ اللہ میاں کو سوائے اس کے اور کچھ بھی کہتے بن نہ آیا تھا کہ انی اعلم مالا تعلمون مجھ کو معلوم ہے جو کہ تم نہیں جانتے۔

اقول۔ اگر آیت کریمہ ھل اتی علی الانسان میں آدم علیہ السّلام کا ہی ذکر ہو تو ضروری نہیں کہ ان کا سارا واقعہ جو دوسری جگہ ہے وہ بیان کیا جاتا۔ لیکن مہاشہ جی کا مطلب تو اصل میں آیت کریمہ اتجعل فیھا من یفسد فیھا پر اعتراض کرنا ہے اور اسی لئے کھینچ تان کر اس کا ذکر کیا ہے حالانکہ اس کا مفہوم تو یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے آدمؑ کو خلیفہ بنانے کی اطلاع فرشتوں کو دی تو انہوں نے یہ دریافت کیا کہ کیا زمین میں ایسی مخلوق بھی بنائیگا جو فسادی ہو جن کی اصلاح آدم علیہ السّلام فرمائینگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے یعنی میں انسان کو اپنا مظہر بناؤنگا اور جو فساد کرنے والے ہیں وہ خود گمراہی کا راستہ اختیار کرنے والے ہونگے۔

قولہ۔ روح کی پیدائش کی نسبت خاص تحقیقات۔ ناظرین کو یہ بھی جان لینا مناسب ہے کہ قرآن روح کو بھی پیدا شدہ نہیں کہتا ہے.... قرآن میں حسب ذیل بیان آیا ہے ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربّی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ قرآن کی مندرجہ بالا آیت سے ہرگز ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ روح مخلوق ہے بلکہ اس آیت سے محض اس قدر عیاں ہے کہ روح پروردگار کے حکم سے ہے..... اور جہاں کہیں بھی قرآن میں کسی چیز کی پیدائش کا ذکر ہے وہاں لفظ خلقنا ضرور استعمال کیا گیا ہے۔

اقول۔ سب سے پہلے معترض کے اس دعویٰ کہ "قرآن روح کو بھی پیدا شدہ نہیں کہتا" کی حقیقت ظاہر کرنا چاہتا ہوں چونکہ معترض قرآن کریم سے واقفیّت نہیں رکھتا اس لئے جا بجا کوئی نہ کوئی بے ثبوت دعویٰ کرکے ذلیل ہوتا ہے ان کے اسی دعویٰ کی تردید میں قرآن کریم فرماتا ہے:۔ اللہ خالق کل شیءٍ وھو الواحد القھار یعنی اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے خواہ روح مادہ ہو یا اور کوئی چیز۔ اوّل تو اس لئے کہ وہ واحد ہے اگر روح اس کے ساتھ قدیم سے ہو تو اس کی توحید ثابت نہیں ہو سکتی۔ دوم اس لئے کہ روح مادہ پر اس کا غلبہ ہے اگر یہ اس کی پیدا کردہ نہ ہوتی تو خدا کو اس پر حکومت کا کوئی حق نہ تھا۔

پھر فرمایا ہے وخلق کل شیءٍ فقدّرہ تقدیرا کہ خدا ہی کی ذات نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ ہر ایک چیز کی اس نے حد مقرر کر دی ہے پس اگر روح خدا تعالیٰ کی طرح قدیم

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہوتی تو اس کی حد بندی میں ہرگز محدود نہ ہوتی۔ مگر مہاشہ جی! کیا آپ ویدوں سے قدامت روح مادہ ثابت کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ آیت کریمہ یسئلونک عن الروح الآیۃ پر یہ شبہ کرنا کہ الفاظ من امر ربّی سے روح کا مخلوق ہونا ثابت نہیں ہوتا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ دریافت کرنے والوں کا سوال یہ تھا کہ روح کی اصلیت کی خبر دی جائے کہ وہ قدیم ہے یا حادث جیسا کہ مہاشہ صاحب نے خود تسلیم کیا ہے کہ "سائلوں کا مطلب روح کی اصلیت معلوم کرنیکا تھا" تو جواب دیا کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو رب کے حکم سے ہوگی وہ ضرور اس کے بعد ہی ظہور میں آئی ہوگی پس وہ حادث ہونیکے باعث خدا تعالیٰ کی مخلوق ثابت ہوئی۔ اور یہاں لفظ خلق کی بجائے امر اس لئے استعمال فرمایا کہ امر سے یہ واضح ہو جائے کہ روح چونکہ خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہی کام کر رہی ہے اس لئے وہ ضرور اسکی پیدا کردہ ہے گویا صرف پیدائش کا ہی ذکر نہیں بلکہ روح کی پیدائش کی دلیل بھی بیان فرما دی ہے۔

قولہ۔ نیز اگر زیادہ غور سے دیکھا جائے تو اس آیت سے مصنف قرآن کی بڑی بھاری کمزوری اور سائلوں کی نہایت عمدہ قابلیت عیاں ہو رہی ہے یہ آیت سائلوں کو یوں کہتی ہے کہ تم کو بھی روح کی بابت اگرچہ معلومات تو دی گئی ہیں مگر تھوڑی سی۔ اور اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان شخصوں کو جو کہ حضرت کے پاس روح کی نسبت دریافت کرنے کی غرض سے گئے تھے بمقابلہ حضرت کے زیادہ واقفیت تھی۔

اقول۔ یہ اعتراض بھی آیت کریمہ کا صحیح مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وما اوتیتم من العلم الا قلیلا میں روح کے مخلوق ہونے کی دوسری دلیل بیان فرمائی ہے اور وہ اس طرح کہ انسان کا ناقص علم اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کی روح حادث ہے کیونکہ اگر انسان کی روح بھی خدا تعالیٰ کی طرح قدیم ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ دو مساوی ہستیوں سے ایک کا علم ناقص اور دوسری کا کامل ہو پس روح کا علم چونکہ بمقابلہ خدا کے علم کے ناقص ہے اس لئے وہ دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ روح حادث ہے اور یہی سائلوں کو سمجھایا گیا ہے۔

قولہ۔ از روئے قرآن مادہ بھی قدیم ہے .... مصنف قرآن بار بار یہ تو کہتا ہے کہ ہم ہر شے پیدا کرنے پر قادر ہیں لیکن کسی مقام پر یہ نہیں لکھا ہے کہ اللہ میاں نے سب کچھ محض نفی سے بنایا..... بلکہ از روئے قرآن لفظ خلق کے حقیقی معنی کسی ایک چیز کو دوسری چیز سے ملا کر بنانے کے ہیں اور عربی زبان میں خالق کے یہی معنی ہیں جو بناتا ہو نہ کہ نیستی سے ہستی کرتا ہو..... قرآن میں یوں تحریر ہے:۔ ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین..... فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

اقول۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے محض نفی سے اشیاء کو بنانیکا ذکر قرآن کریم میں متعدد

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مقامات پر آیا ہے چنانچہ فرماتا ہے (۱) اولا یذکر الانسان انا خلقناہ من قبل ولم یک شیئاً کہ کیا انسان اس بات کو یاد نہیں کرتا کہ وہ قطعاً کچھ بھی نہ تھا پھر ہم نے اس کو پیدا کیا۔ (۲) وقد خلقتک من قبل ولم تک شیئاً کہ اے انسان میں نے تجھے نیست سے ہست کیا۔ (۳) ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئاً مذکورا۔ (۴) اللّٰہ خالق کل شیءٍ وھو الواحد القھار یعنی خدا تعالیٰ پر ایسا زمانہ بھی آیا ہے جبکہ وہ واحد تھا پھر اس نے نیست سے ہست کر کے سب کچھ پیدا فرمایا۔ (۵) وخلق کل شیءٍ فقدرہ تقدیرا یعنی ہر چیز کا ایک حد میں محدود ہونا ثابت کرتا ہے اس بات کو کہ تمام اشیاء خدا کی پیدا کردہ ہیں ورنہ وہ بھی اس کی طرح اپنے اندر لاتعداد صفات رکھتیں۔ اور جہاشہ صاحب کا یہ کہنا کہ "عربی زبان میں خالق کے یہی معنی ہیں جو بتاتا ہو نہ کہ نیستی سے ہستی کرتا ہو"، اور پھر اسکے ثبوت میں قرآنی آیت پیش کرنا بھی درست نہیں ہے کیونکہ عربی زبان میں خلق کے دو معنی ہیں (۱) محض نیست سے ہست کرنا جیسا کہ اوپر کی آیات سے ظاہر ہے جن میں الفاظ لم یک شیئاً۔ لم تک شیئاً۔ وھو الواحد سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایک زمانہ میں انسان اور دیگر ہر چیز محض نیست تھی اور اسوقت صرف خدا کی ایک ذات تھی۔ اب محض نفی سے پیدا کرنے کیلئے خلق کا لفظ ہی استعمال کیا گیا ہے اگر یہ لفظ کسی کو دوسری چیز سے بنانے کے لئے ہی مخصوص ہوتا تو معترض کے جو عربی دان بھائی اسوقت موجود تھے اور ان کو فصیح و بلیغ ہونیکا دعویٰ بھی تھا وہ ایسے موقع کو ہاتھ سے کب جانے دیتے تھے فوراً آنحضرت صلعم پر اعتراض کر دیتے کہ قرآن میں لم یک شیئاً وغیرہ محض نفی سے پیدا کرنے کیلئے خلق کا لفظ استعمال ہوا ہے جو ہرگز درست نہیں ہے مگر ابو جہل وغیرہ معاندین اسلام کا اس قسم کا اعتراض نہ کرنا ثابت کرتا ہے اس امر کو کہ جہاشہ صاحب کا یہ اختراع محض لاعلمی کی وجہ سے ہے۔ (۲) دوسرے معنی خلق کے وہی ہیں جو معترض نے بیان کیئے ہیں یعنی کسی چیز سے دوسری چیز بنانا جیسا کہ معترض کی پیشکردہ آیت اور دیگر آیات و کلام عرب سے ثابت ہے مگر خدا تعالیٰ چونکہ نیست سے ہست کرنیوالا ہے اس لئے وہ جس چیز سے دوسری چیز پیدا کرتا ہے وہ بھی اس کی ہی پیدا کردہ ہوتی ہے۔

قولہ - قرآن میں جہاں کہیں بھی زمین آسمان یا کسی اور چیز کی پیدائش کا بیان آیا ہے۔ کسی جگہ یہ نہیں کہ مادہ کو نفی سے بنایا بلکہ قرآن سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ زمین آسمان بننے سے پیشتر قریباً اسی حالت میں موجود تھے جیسا کہ سوامی دیانند جی نے لکھا ہے کہ موجودہ سرشٹی کی سالگری سرشٹی کے بننے سے پہلے کہر کی شکل میں موجود تھی ثبوت کے لئے دیکھو قرآن کی مندرجہ ذیل آیات کہ جن میں صاف اور کھلے الفاظ میں مادہ کی حالت اولیٰ کو دھوئیں کے نام سے ظاہر کر دیا گیا ہے:۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

قل ائنکم لتکفرون بالذی ... ثم استوی الی السماء وھی دخان فقال لھا وللارض الآیۃ۔

اقول۔ مَیں قرآن کریم سے اوپر یہ ثابت کر آیا ہوں کہ ہر چیز خدا تعالیٰ کی ہی پیدا کردہ ہے اور وہ جو دھوئیں کی شکل میں سیال مادہ تھا وہ بھی تو بموجب فرمان:۔ اللّٰہ خالق کل شیئ اسی کا پیدا کیا ہُوا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہُوا اور اس سے آسمانوں یعنی بلند کُرّوں کو پیدا فرمایا۔ مگر پنڈت دیانند وغیرہ نے جو کُہر وغیرہ تحریر کی ہے تو وہ اس کو قدیم تسلیم کرتے ہیں۔ پس قرآن کریم اور پنڈت دیانند صاحب کا وید کی طرف منسوب کردہ مضمون نہ صرف مطابق ہی نہیں بلکہ قرآن مجید نے جابجا اس کی تردید فرمائی ہے جیسے اوپر وضاحت سے بیان کیا جا چکا ہے اس لئے مہاشہ جی کا یہ کہنا درست نہیں کہ "تمام مذاہب کے بانیوں نے ویدک روشنی سے ہی منور ہو کر تمام دنیا میں پرچار کیا"۔

قولہ۔ کُن اور فیکون کی اصلی حقیقت۔ علماء اسلام اور ان کے ہم خیال یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جس وقت اللہ میاں چاہتا ہے کہ مَیں کچھ بناؤں تو وہ صرف یہی کہتا ہے کہ "کن"، جس کے کہتے ہی فوراً اسے پیشتر فیکون یعنی ہو جاتا ہے۔

یہ بے بنیاد اور نہایت ہی غیر معقول اعتقاد مسلمانوں کے دلوں میں کچھ ایسا جاگزین ہے جس کو وے نہ تو علمی دلائل سے ثابت کر سکتے ہیں نہ چھوڑ سکتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ مذہب میں عقل کو دخل دینا پسند نہیں کرتے۔

اقول۔ سب سے پہلے سوال کے جواب میں یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ اسلام کی یہ تعلیم ہرگز نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ کے "کن" کہنے سے فوراً اسے پیشتر سب کچھ ظہور میں آ جاتا ہے بلکہ اسلام نے تدریجی ترقی کو تسلیم کیا ہے اور اگر بفرض محال کوئی مسلمان یہ عقیدہ رکھتا بھی ہو تو یہ قرآن کریم کی تعلیم کے ہرگز مطابق نہیں ہے۔ چنانچہ معترض نے خود ہی اس عقیدہ کو قرآن کریم کے خلاف تسلیم کر لیا ہے جیسا کہ لکھا ہے "ہم ہی بتلائے دیتے ہیں کہ دونو (حضرت آدم و عیسیٰ علیہما السلام) کے بنانے میں اللہ میاں کو کیا کیا کرنا پڑا تھا محض یہی نہیں کہ جس وقت اللہ میاں نے ایسا ارادہ اپنے دل میں کیا تھا کہ مَیں آدمؑ یا عیسیٰؑ کو بناؤں تو فقط لفظ "کن" کہہ دیا تھا اور پھر فوراً ہی وے بن گئے تھے"۔

آیت کریمہ "کن فیکون"، جہاں کہیں بھی قرآن مجید میں آئی ہے خدا تعالیٰ کی قدرت

Digitized by Khilafat Library Rabwah

پیدا کیا اسی طرح آدم علیہ السلام بھی بغیر باپ کے تھے تاکہ عیسائیوں پر حجت ہو کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام بے باپ ہونیکی وجہ سے خدا ہے تو آدم علیہ السلام بطریق اولیٰ ہیں۔

الحمد للہ کہ مہاشہ کرم ویر سنگھ کے تمام اعتراضوں کے جواب قرآن کریم سے ہی مع دلائل عقلیہ ہم نے تحریر کر دیئے ہیں اگر مہاشہ جی نے ایسے ہی شکوک کی وجہ سے اسلام کو چھوڑا ہے تو امید ہے کہ انکی ضمیر پھر انہیں صداقت تسلیم کرنے پر مجبور کریگی۔ اور اگر ترک اسلام کی وجوہات کچھ اور ہی ہیں تو پھر ہم بھی پنڈت صاحب کو مجبور کیے بغیر نہیں رہ سکتے ؞

(۱) پنڈت ساتولیکر جی فرماتے ہیں:۔

"حقیقت میں اس وقت تمام روئے زمین پر کامل وید منتروں کی واقعی اور سچی شرح کرنیوالا ایک بھی شخص نہیں ہے۔ اگر کوئی ہوتا تو اس زمانہ میں انسانوں کی حالت اس سے بہت اونچی ہوتی" (رسالہ دیو سماج اپکار ص ۲۳۳)

(۲) پنڈت نند کشور جی فرماتے ہیں:۔

"کہتے تو ہم ہیں کہ وید کا پرچار کرو۔ مگر ہم میں کوئی بھی ایسا نہیں جو چاروں وید جانتا ہو" (رسالہ اندر ماہ مارچ ۱۹۱۱ء صفحہ ۱۵)

اصول کافی میں موجود ہے:۔

وتزوج خدیجة وهو ابن بضع وعشرين سنة فولد له منها قبل مبعثه القاسم ورقية وزينب وام كلثوم وولد له بعد المبعث الطيب والطاهر والفاطمة۔ (ص ۲۷۸)

"یعنی رسول اللہ نے خدیجہؓ سے نکاح کیا اسوقت آپکی عمر شریف کچھ اوپر بیس سال کی تھی۔ اور حضرت خدیجہؓ سے قبل از بعثت قاسم، رقیہ، ام کلثوم، پیدا ہوئیں اور بعد از بعثت طیب، طاہر، اور فاطمہ کی ولادت ہوئی"

نیز شیعہ کی معتبر کتاب حیات القلوب میں ہے:۔

"بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ از برائے رسول خدا از خدیجہ متولد شدند طاہر و قاسم و فاطمہ و ام کلثوم و رقیہ و زینب" (جلد ۲ ص ۷۱۸)

اور بعض شیعہ بے سمجھی سے یہ بھی کہدیتے ہیں کہ رسول خدا کی بجز فاطمہ کے اگر دیگر دختران ہوتیں تو بوقت نزول آیت مباہلہ رسول اکرم اُن کو ضرور شامل فرماتے۔ مگر یہ افسانہ بھی اُن کا کسی طرح قابل قبول و التفات نہیں ہے۔ کیونکہ ارباب علم پر یہ مخفی نہیں ہے کہ واقعہ مباہلہ - - - - - - - - سنہ ۱۰ھ میں ہوا۔ اسوقت سوائے فاطمة الزہراء کے باقی دختران فوت ہو چکی تھیں۔ چنانچہ زینب کی وفات ۸ سنہ ہجری کے آغاز میں ہوئی (اصابہ ص ۳۱۲ سنی و حیات القلوب ص ۷۱۹ ج ۲ شیعہ) اور حضرت رقیہ سال جنگ بدر میں فوت ہوئیں (اصابہ سنی و حیات القلوب ص ۷۱۹ شیعہ) اور حضرت ام کلثوم کی وفات ۹ سنہ ھ میں ہوئی (حیات القلوب ص ۷۱۹ جلد ۲ شیعہ)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

قرآنی پردہ

(نمبر ۲)

مجھے افسوس ہے کہ باوجود واضح طور پر اظہار مطلب کے پھر بھی بعض احباب نے اُس ایک اصلی نکتہ کو نہیں سمجھا جو مَیں نے اپنے پہلے مضمون میں بیان کیا ہے۔ اور وہی ایک اصلی نکتہ ہے جسکے سمجھ لینے سے پھر تمام مضمون صاف ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک دوست یہ مضمون پڑھ کر پھر سوال کرتے ہیں کہ:-

"عورت جب باہر نکلے تو کیا اس کا مُنہ الا ماظھر منھا میں نہیں آسکتا؟"

اس سوال سے معلوم ہُوا کہ انہوں نے وہ بنیادی بات ہی نہیں سمجھی جس پر مَیں نے اس مضمون کو قائم کیا ہے۔ اور وہ بنیادی بات یہ ہے کہ خُمر والا پردہ جس میں زینت اور الا ماظھر منھا کا ذکر ہے وہ گھر سے باہر جانیوالی عورت کے ساتھ قطعاً کوئی تعلق ہی نہیں رکھتا پس یہ سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔ اسی طرح ایک صاحب کہتے ہیں کہ:-

"جب عورت باہر نکلے تو کیا کیا زینت چھپائے؟"

یہ سوال بھی غلط ہے کیونکہ زینت کا سوال بھی خُمری پردہ یعنی اس پردہ کے متعلق ہے جو گھروں کے اندر کرنا چاہیئے نہ کہ جلبابی پردہ کے متعلق جو باہر نکلنے کا ہے۔ اسی طرح ایک صاحب پُوچھتے ہیں کہ:-

"کیا عورتیں سر پہ مفلر یا شال باندھ کر باہر نکل سکتی ہیں؟ کیونکہ مفلر بھی خُمر میں داخل ہے اور شال یا مفلر میں مُنہ ضرور کُھلا رہیگا"

میرا جواب پھر یہی ہوگا کہ مفلر یا شال چونکہ خُمر یا اوڑھنی کی جگہ استعمال ہوگا اس لئے وہ گھر سے باہر کے پردہ پر حاوی نہ ہوگا۔ ہاں اگر گھروں میں اوڑھنا چاہیں تو وہ خُمر کا قائم مقام ہو سکتا ہے بشرطیکہ ایسی طرز کا اور اتنا بڑا ہو کہ سینہ کے آگے بھی اس کا ایک حصّہ پڑا رہے۔

مَیں پھر قارئین کرام کو اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ مَیں نے عام طور پر تین قسم کے پردے بیان کئے ہیں اب ان کا نام بھی رکھ دیتا ہوں:-

(۱) "حجابی" پردہ۔ صرف اُمہات المومنین کے لئے اپنے گھروں کے اندر۔

(۲) "جلبابی" پردہ۔ سب کے لئے گھروں سے باہر۔

(۳) "خُمری" پردہ۔ سوائے اُمّہات المومنین کے باقی سب مومنات کیلئے اپنے گھروں کے اندر۔

پس جب بحث عورتوں کے اس پردہ کے متعلق ہو گی جو انکو اپنے گھروں سے باہر نکلکر کرنا چاہیئے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

قرآنی پردہ

(نمبر ۲)

مجھے افسوس ہے کہ باوجود واضح طور پر اظہار مطلب کے پھر بھی بعض احباب نے اُس ایک اصلی نکتہ کو نہیں سمجھا جو میں نے اپنے پہلے مضمون میں بیان کیا ہے۔ اور وہی ایک اصلی نکتہ ہے جسکے سمجھ لینے سے پھر تمام مضمون صاف ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک دوست یہ مضمون پڑھ کر پھر سوال کرتے ہیں کہ:-

"عورت جب باہر نکلے تو کیا اس کا منہ الا ما ظھر منھا میں نہیں آسکتا؟"

اس سوال سے معلوم ہوا کہ انہوں نے وہ بنیادی بات ہی نہیں سمجھی جس پر میں نے اس مضمون کو قائم کیا ہے۔ اور وہ بنیادی بات یہ ہے کہ خُمر والا پردہ جس میں زینت اور الا ما ظھر منھا کا ذکر ہے وہ گھر سے باہر جانیوالی عورت کے ساتھ قطعاً کوئی تعلق ہی نہیں رکھتا پس یہ سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔ اسی طرح ایک صاحب کہتے ہیں کہ:-

"جب عورت باہر نکلے تو کیا کیا زینت چھپائے؟"

یہ سوال بھی غلط ہے کیونکہ زینت کا سوال بھی خُمری پردہ یعنی اس پردہ کے متعلق ہے جو گھروں کے اندر کرنا چاہیئے نہ کہ جلبابی پردہ کے متعلق جو باہر نکلنے کا ہے۔ اسی طرح ایک اور صاحب پوچھتے ہیں کہ:-

"کیا عورتیں سر پہ مفلر یا شال باندھ کر باہر نکل سکتی ہیں؟ کیونکہ مفلر بھی خُمر میں داخل ہے اور شال یا مفلر میں مُنہ ضرور کُھلا رہیگا۔"

میرا جواب پھر یہی ہوگا کہ مفلر یا شال چونکہ خُمر یا اوڑھنی کی جگہ استعمال ہوگا اس لئے وہ گھر سے باہر کے پردہ پر حاوی نہ ہوگا۔ ہاں اگر گھروں میں اوڑھنا چاہیں تو وہ خُمر کا قائم مقام ہو سکتا ہے بشرطیکہ ایسی طرز کا اور اتنا بڑا ہو کہ سینہ کے آگے بھی اس کا ایک حصّہ پڑا رہے۔

میں پھر قارئین کرام کو اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ میں نے عام طور پر تین قسم کے پردے بیان کیئے ہیں اب ان کا نام بھی رکھ دیتا ہوں:-

(۱) "حجابی" پردہ - صرف امہات المومنین کے لئے اپنے گھروں کے اندر۔

(۲) "جلبابی" پردہ - سب کے لئے گھروں سے باہر۔

(۳) "خُمری" پردہ - سوائے اُمّہات المومنین کے باقی سب مومنات کیلئے اپنے گھروں کے اندر۔

پس جب بحث عورتوں کے اس پردہ کے متعلق ہوگی جو انکو اپنے گھروں سے باہر نکلکر کرنا چاہیئے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اسوقت ہمیشہ جلبابی پردہ زیر بحث آئیگا۔ اور جب بحث اس پردہ کے متعلق ہوگی جو اپنے گھروں کے اندر انکو رکھنا چاہیئے تو ہمیشہ خمری پردہ زیر بحث آئیگا۔ تعجب ہے کہ لوگ گھر سے باہر والے یعنی جلبابی پردہ کے متعلق زینت اور الّا ما ظہر منہا اور خمر کی بحث لے بیٹھتے ہیں حالانکہ یہ آیت قطعاً اس پردہ کے متعلق نہیں۔

جلبابی پردہ

جو عورتوں کو باہر نکلتے وقت کرنا چاہیئے۔ باہر نکلنے کے وقت کا صرف ایک ہی قسم کا پردہ ہے اور وہ جلبابی ہے۔ اس میں کسی بڑے کپڑے کے اوڑھ لینے کا حکم ہے اور چہرہ خرصاں میں چھپیگا۔ کیونکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ عورتیں اپنے سارے بدن پر ایک بڑی چادر اوڑھ لیں۔ اور اپنا سب کچھ ڈھک لیں۔ مثلاً اگر سادہ چادر ہو تو گھونگٹ نکال لیں اور اگر برقعہ ہو تو اسکا نقاب یا جالی منہ کے آگے رہے جس سے راستہ معلوم ہو سکے مگر اپنا منہ سامنے والوں کو نظر نہ آسکے۔ پس اس پردہ میں یہ کوئی بحث ہی نہیں کہ کیا کیا زینت کھولی جائے اور کیا کیا باتیں الّا ما ظہر منہا میں داخل نہیں۔ اس پردہ کے حکم میں قطعاً ایسی کسی بات کی طرف اشارہ بھی نہیں۔ تعجب ہے کہ لوگ بحث کرتے ہیں اس پردہ کے متعلق اور پیش کرتے ہیں وہ آیت جو گھروں کے اندر کے لباس اور پردہ کے متعلق ہے۔ جو قطعاً ایک غیر متعلق بحث ہے جلبابی پردہ میں صرف ایک حکم ہے وہ یہ کہ عورت ایک بڑے کپڑے سے اپنا تمام بدن ڈھک لے۔ اور بس۔

خُمری پردہ

دوسرا پردہ جو خُمری ہے اور جس کی آیت کو اکثر زیر بحث لایا جاتا ہے وہ صرف گھروں کے اندر کا پردہ ہے۔ باہر کا نہیں ہے۔ اور اس کی وجوہات میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ سوائے شاذ و نادر کے تمام دنیا کی معاشرت اس طرح کی ہو چکی ہے کہ خواہ شہر ہوں یا گاؤں ایک دوسرے کے گھر میں لوگوں کی نظر پڑتی ہے مثلاً ایک متوسط الحال شخص ہے اسکے پانچ چھ بیٹے ہیں۔ وہ ان سب کی شادی کرکے جب گھر میں بہوئیں کو لائیگا تو کیا ہر ایک کے لئے شہر سے باہر نیا مکان چار چار پانچ پانچ ہزار روپیہ خرچ کرکے بنائیگا۔ ہرگز نہیں بلکہ سب اسی کے گھر میں رہینگی۔ حالانکہ سب بھائی اپنی بھاوجوں کے نامحرم ہونگے پس ضرور ہُوا کہ شریعت ایک پردہ ان حالات کے ماتحت ایسی عورتوں کیلئے قائم کرتی اور انکی حفاظت کرتی۔ سو ایسا پردہ شریعت نے قائم کر دیا اور اسکا نام خُمری پردہ ہے اس میں صرف ایک بات ضروری ہے وہ یہ کہ عورت اوڑھنی یا دوپٹہ یا مناسب شال سر پر اس قسم کی اوڑھے جس سے بال ڈھک جائیں۔ اور ایک حصّہ اسکے سینہ کے بھی آگے آجائے بس۔ یہ کم از کم ہے۔ منہ کھلا ہے۔ ہاتھ کھلے رہیں۔ اور کام کاج کے ضروری اعضاء کھول سکتی ہے۔ ہاں زینت یعنی زیورات وغیرہ چھپائے۔ مثلاً اگر ہاتھ پر زیور ہے تو ذرا دوپٹہ نیچے کو کھسکا لے۔ یا کانوں میں زیور ہیں تو اسی بکّل میں کان پوشیدہ ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر عورت کا چہرہ نہایت ہی خوبصورت اور فتنہ میں ڈالنے والا ہو تو وہ اسی خُمر کا گھونگٹ نکالے رکھے۔ اور یہ باتیں کوئی نئی نہیں ہیں۔ ہندوستان پنجاب کے سب شہروں میں شرفاء میں بلکہ ادنیٰ لوگوں تک میں رائج ہیں۔ بلکہ اس سے زیادہ سختی سے رائج ہیں جتنے کی شریعت نے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اجازت دی ہے۔ درحقیقت گھری پردہ عزیزوں رشتہ داروں اور ہمیشہ گھر میں آنے جانے والے "نیم محرموں" کا پردہ ہے۔ اس سے زیادہ اسکی حقیقت نہیں۔ اور اسی لئے اس میں زینت اور الّا ما ظھر منھا کے الفاظ داخل کیئے گئے ہیں کہ حسب حالات اور حسب رواج اور حسب ضرورت اِس قسم کے پردہ میں کمی بیشی ہوتی رہے۔ مثلاً جب وہی حسین و جمیل عورت ذرا پختہ عمر کی ہوجائے اور اسکا نوجوانی کا حُسن اس آب و تاب کا نہ رہے تو پھر وہ اپنا منہ بیشک کھول دے۔ اسی طرح زمینداروں میں اپنا کھیت اور تاجر پیشہ عورتوں میں اپنی دوکان بھی گھر کا ہی حکم رکھتی ہے۔ وہاں عورتوں کا کام ایسا ہی ہوتا ہے جیسے اپنے گھروں میں اس لئے وہاں بھی گھری پردہ ہوگا کیونکہ وہ غیر جگہ نہیں ہے بلکہ غربا اور محنتی عورت کیلئے وہ اسکا اپنا گھر ہی ہے اسلئے دوکاندار عورت اپنی دوکان میں اور زمیندار عورت اپنی کھیتی میں، اسی لباس میں کام کر سکتی ہے جس میں وہ اپنے گھر میں رہتی۔ یعنی گھری پردہ کے ساتھ۔

اُمّہات المومنین کی خصوصیّت کیا تھی؟

اب ہم اس بات کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ امہات المومنین کے پردہ میں کچھ بعض خصوصیات داخل کی گئی ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلّم کے تعدد ازواج کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ:۔

(۱) عورتوں کے لئے دین اسلام کی معلّم خواتین پیدا کی جائیں۔

(۲) اور آنحضرت صلعم کے گھر کے اندرونی اخلاق عادات معاملات عبادات اور حالات اُمّت کو مختلف اور متعدّد طریقوں سے معلوم ہوسکیں۔

اور یہ کام ایک عورت سے نہیں چل سکتا تھا بلکہ کئی عورتیں اس کام کے لئے ضروری تھیں اور ان معلّمہ خواتین کے لئے ضروری تھا کہ:۔

(۱) وہ ہر وقت اپنے گھروں میں حاضر رہیں۔ کیونکہ اگر وہ بھی اور عورتوں کی طرح محلہ محلہ اور گھر گھر پڑی پھرتیں تو پھر آنحضرت صلعم کے حالات اور دین کے مسائل پوچھنے والے مرد اور عورتیں بڑی مصیبت میں پڑ جاتے۔ اُمّہات المومنین کے گھر گویا مدرسوں کی طرح تھے اور دن رات وہ مدرسے کھلے رہتے تھے پس جس طرح مدرسے کے اوقات میں ایک مدرس کا مدرسہ میں حاضر رہنا ضروری ہے اسی طرح انکی حاضری اپنے گھروں میں ضروری تھی تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی مرد یا عورت دین کا علم سیکھنے آئے اور انکو غیر حاضر پاکر ناکام

(۲) عورت کی زینت اور سنگار اور بناؤ صرف خاوند کے راضی کرنے اور اسکے خوش کرنے کیلئے ہوتا ہے۔ آنحضرت صلعم چونکہ دنیا کے سب سے بڑے تارک الدنیا شخص تھے اس لئے آپ کے خوش کرنیکے لئے انکو زینت الجاہلیۃ کی ضرورت

Digitized by Khilafat Library Rabwah

حالت پر قائم رہتے تھے۔ جن کو ممی کہتے ہیں۔

ان سب طریقوں میں سے جو مختلف ممالک اور قوموں میں رائج ہیں۔ ہم نے صرف دو طریق کا مقابلہ کرنا ہے۔ یعنی دفنانا۔ اور جلانا۔ کیونکہ یہی دو طریق مہذب ممالک میں رائج ہیں۔

مغربی ممالک میں بھی عیسائیت کی تعلیم کے مطابق پہلے تو مُردوں کو دفن کرنے کا رواج تھا۔ مگر اب ان میں مُردوں کو جلانے کے خیال کی زبردست رَو جاری ہو گئی ہے۔ چنانچہ وہاں پر انہوں نے مُردوں کو جلانے کیلئے کریمے ٹوریم قائم کیے ہیں۔ اور بعض جگہوں پر بجلی کی آگ سے بھی جلاتے ہیں۔ ہندوستان میں بعض یورپین لوگ اس طریق کو پسند کرنے لگ گئے ہیں۔ چنانچہ کلکتہ میں ایک کریمے ٹوریم قائم ہو چکا ہُوا ہے۔ انگلستان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ چونکہ ملک میں جگہ کی تنگی ہے۔ اسلئے مُردوں کو دفن کرنے کے لئے بڑے بڑے قبرستانوں کی گنجائش نہیں۔ یا پھر بعض کا خیال ہے کہ جلانا صحت عامہ (پبلک ہیلتھ) اور صفائی کے لحاظ سے افضل ہے۔ مگر یہ تو محض بہانہ ہے۔ کیونکہ جلانے کی اصل وجہ ان میں تناسخ کے عقیدہ کا مضبوط ہونا ہے۔ اس عقیدہ کی بنا پر وہ مُردوں کو جلانے لگ پڑے ہیں۔ ورنہ دفنانا تو قدرتی طریق ہے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے۔ کہ دفن کرنا۔ اور جلانا۔ ان میں سے کونسا طریق قدرتی۔ کم خرچ۔ اور صحت عامہ کے لحاظ سے افضل ہے۔ ان مختلف پہلوؤں کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہم دونو کا مقابلہ کر دیتے ہیں۔

۱۔ **قدرتی طریق۔** انسان کی پیدائش مٹی سے ہے۔ اور زمین سے اُگی ہوئی چیزوں سے ہی انسان کا جسم نطفہ سے علقہ اور مضغہ اور ہڈی وغیرہ بنتا ہے۔ اسی غذا کو کھا کر انسان جوان ہوتا اور بوڑھا ہو کر مرتا ہے۔ پس معلوم ہُوا کہ انسانی جسم کے ذرات کو مٹی کے ساتھ خاص مناسبت ہے۔ اسی وجہ سے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی اسکو زمین کے پیٹ میں ہی رکھا جائے۔ تاکہ جراثیم وغیرہ جن کی پیدا کی ہوئی غذا اس نے کھائی تھی۔ وہی اب اس کے جسم کو پوری طرح کھا کر خاک میں ملا دیں۔ اور جس طرح پہلا عمل (یعنی مُردہ نباتاتی اور حیوانی مادہ (آرگینک) کو پھاڑ کر اس سے نائٹروجن نکال کر غذا بنانے کا عمل) ان جراثیم نے بغیر بُو اور تعفن کے پورا کیا تھا۔ اسی طرح اب انسانی جسم کا بھی خاتمہ ہو۔ پس قدرتی طریق یہی ہے کہ جس کے پیٹ سے انسان غذا حاصل کرتا ہے۔ اسی کے پیٹ میں مرنے کے بعد بھی داخل کیا جائے۔ اگر انسان کی پیدائش آگ سے ہوتی۔ تو بے شک یہی طبعی اور قدرتی طریق تھا۔ کہ مرنے کے بعد انسان کو آگ کے سپرد کیا جائے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ پس مُردے کو دفنانا قدرتی فعل ہے۔

۲۔ **بائیولاجیکل طریق۔** غذا کے زمین سے پیدا ہونے کا یہ طریق ہے کہ جب نباتاتی اور حیوانی مُردہ (آرگےنک) مادہ مٹی میں کھاد کی صورت میں مل جاتا ہے۔ تو اس مادہ کو بعض جراثیم (جن کو

Digitized by Khilafat Library Rabwah

تھی۔ پھر چونکہ آپکی وفات کے بعد انکے لئے نکاح حرام تھا اس لئے بھی انکو زینت کی ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ کیونکہ جب خاوند کرنا ہی نہیں تو اس قسم کی مردوں کو لبھانے والی زینت سے کیا کام۔ اس لئے برخلاف تمام عورتوں کے امہات المومنین کیلئے ہر داجی زینت اور بناؤ سنگار۔ (طہارت اور صفائی الگ چیز ہے) منع کر دیا گیا تھا۔ انکی شان دنیا میں استاد اور مبلّغ کی شان تھی اور انکا وجود اُمّت کیلئے قربان ہونے کی خاطر بنایا گیا تھا۔ انکی جو پوزیشن تھی وہ اس بات کی طلبگار تھی کہ وہ اپنا نفس اپنی خواہشات اور اپنے ہر آرام کو دین اور اُمّت کیلئے نثار کر دیں۔ وہ اُمّت کی عورتوں کیلئے آنحضرت صلعم کی نائب تھیں۔ اور جس طرح خود حضور کی زندگی محض خلق خدا کے لئے تھی اسی طرح آپکی ازواج بھی محض دین کیلئے وقف تھیں۔ اسی لئے تو قرآن مجید فرماتا ہے کہ یا نساءَ النبی لستنّ کاحدٍ من النساء۔ یعنی نبی کی بی بیو تم دنیا کی اور عورتوں کی طرح نہیں ہو بلکہ تمہارا خاص مشن ہے جس کو تمہیں پورا کرنا ہوگا۔

(۳) جب پھر ایک طرف انکو دنیا کا استاد بنا دیا اور عورتوں کے سوا ہر قسم کے مرد بھی گروہ در گروہ انکی خدمت میں دین سیکھنے کے لئے آنے لگے اور دوسری طرف باوجود جوان ہونے کے انکو نکاح کی ممانعت کر دی گئی تو ضرور تھا کہ انکی حفاظت اور طہارت کا سامان بھی دوسری عورتوں سے بڑھکر کیا جاتا۔ سو یہ حکم ملا کہ تم استادانہ لہجہ میں لوگوں سے بات کیا کرو۔ ہرگز بات چیت میں اور عورتوں کی سی نرمی اور ملائمت اور لجاجت نہ ہو۔ دروازہ پر پردہ پڑا رہے تا کہ لوگ باہر ہی سے بات کر لیا کریں۔ اور اتفاقی نظر بھی کسی کی ان پر نہ پڑے۔ اور لوگ ان کو اماں جان کہکر خطاب کریں اور اپنے تئیں صرف شاگرد ہی نہیں بلکہ انکا بیٹا سمجھیں۔ غرض ان پاک عورتوں کے حالات دنیا کی دوسری عورتوں سے بالکل مختلف تھے اسلئے ان کے لئے خاص ہدایات اور احکامات نازل ہوئے تھے۔ اور یہ سب احکام گھر کے پردہ کے ہی متعلق تھے۔ اگر اتفاقیہ انکو باہر جانا پڑتا تھا تو اسکے متعلق ان کے لئے بھی وہی احکام تھے جو دوسری تمام مومنات کیلئے تھے کیونکہ مومنات کا **جلبابی پردہ** اتنا کافی اور وافی تھا کہ امہات المومنین کے لئے اس میں کسی ایزادی کی ضرورت نہ تھی۔ جب سر اور جسم اور چہرہ سب کچھ ڈھک جائے تو پھر کسی اور مزید احتیاط کی کچھ حاجت نہیں رہتی۔ ہاں گھروں کے اندر کا پردہ چونکہ دوسری مومنات کا بہت نرم ہے اسلئے امہات المومنین کے لئے اس پردہ میں زیادتی کی گئی۔ وجہ یہ کہ امہات المومنین کے پاس انکے گھر پر ہر قسم کے غیر آدمی ہر وقت تعلیم حاصل کرنے کیلئے آتے رہتے تھے اور دوسری عورتوں کا یہ حال نہ تھا اور نہ ہو سکتا ہے۔

پردہ پر اعتراضات اسکے بعد ہم بعض ان اعتراضات کو لیتے ہیں جو پردہ پر لوگ کیا کرتے ہیں:۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

سوال :- پردہ اگر عمدہ اور مفید چیز ہوتا تو کیوں اسلامی ممالک مثلاً ترک اور افغانستان کے لوگ اسکو چھوڑ دیتے۔

جواب :- ایک وجہ اسکی یہ ہے کہ مفید شرعی پردہ کے ساتھ غیر مفید حصہ رواجی پردہ اتنا سخت تھا کہ لوگ اس سے تنگ آگئے تھے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ ان لوگوں نے پردہ بالکل ہی چھوڑ دیا۔ اگر ہمیشہ سے شرعی پردہ پر عمل رہتا تو وہ اتنا سخت نہ تھا نہ اس میں یہ قید تھی کہ عورتیں گھروں میں مقید رہیں پس جب رواج نے اتنی سختی کی کہ ترازو کا ایک پلڑہ بہت جھک گیا اور اعتدال نہ رہا تو لازمی بات تھی کہ تنگ آکر وہ لوگ اب ترازو کا دوسرا پلڑہ بہت جھکا دیتے۔ اسی کو "ری ایکشن" کہتے ہیں۔ اور یہ بے اعتدالی نتیجہ ہے پہلی بے اعتدالی کا

دوسری وجہ اسکی **یورپ کی اندھا دُھند تقلید ہے** جو مادی خیالات کے لوگ ہر ملک میں کر رہے ہیں۔ نہ سوچتے ہیں نہ غور کرتے ہیں نہ موازنہ کرتے ہیں بلکہ جس طرف اور جس طرح یورپ انکو نچاتا ہے وہ ناچتے ہیں۔ یہ حالت یورپ کے رُعب اور اپنے دین سے ناواقفی کا نتیجہ ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ خود عورتیں بھی آزادی چاہتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ ہم بھی مردوں کی طرح آزاد پھریں دنیا سے ملیں جلیں۔ تماشے دیکھیں۔ ناچ گانا تھیٹر ہر لُطف کو چکھیں۔ بلکہ خود گائیں ناچیں۔ اور کیا وجہ کہ لوگ ہمارے حُسن کی قدر نہ کریں۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ اصل میں ہر شخص قانون اور مذہب سے آزادی چاہتا ہے۔ مرد بھی چاہتے ہیں کہ کیا وجہ ہم محنت کریں۔ کیوں نہ جس کا مال چاہیں اُٹھا لیں۔ اور جس عورت کو پسند کریں اپنے قبضہ میں لے آئیں۔ جو دشمن ہو اسے مار ڈالیں۔ اور جو بھی خواہش ہو اسے پورا کر لیں۔ مگر انہوں نے دیکھا کہ یہ آزادی سوسائٹی کے تباہ کرنے اور ملک کا امن برباد کرنے کا باعث ہے اسلئے قانون اور مذہب کے نیچے پناہ لیکر انہوں نے خود اپنی اس مہلک آزادی پر قید لگا دی اور نقصان دہ خواہشات کو ملک کے امن اور سوسائٹی کی بہتری پر قربان کر دیا۔ نفسِ انسانی کی مثال ایک گھوڑے کی مانند ہے جو اپنے جوہر اور قابلیت اسی وقت دکھاتا ہے جب وہ پابند ہو اور اسکے مُنہ میں لگام ہو نہ یہ کہ بے لگام اور ہر طرح غیر مقید ہو۔ سو جس طرح مردوں نے اپنے تئیں بہت سی باتوں میں آزادی کھو کر مقید کر دیا ہے اسی طرح عورتوں کیلئے بھی شرعی پردہ ایک مناسب قید ہے۔ بیشک وہ کامل آزادی میں روک ہے مگر یہ روک اخلاق صحت اور سوسائٹی کے امن اور گھروں کی راحت کیلئے نہایت ضروری ہے۔ پس وہ عورتیں جو آزادی چاہتی ہیں وہ یہ سوچ لیں کہ آج تو بیشک انکو یہ آزادی بہت لذت دہ معلوم ہوگی۔ مگر پھر چند سال بعد قدرتاً وہ اسکی مزید قسط کی طلبگار ہونگی پھر اس سے اگلی قسط کی یہانتک کہ انکی حالت یورپ کی آزاد منش عورتوں کی طرح ہو جائیگی۔۔۔

- -

جہاں عورت عورت نہیں بلکہ مرد ہے کیونکہ وہ مردوں - - - - - - - - - - - -

Digitized by Khilafat Library Rabwah

والا علم حاصل کرتی ہے۔ انکی طرح خود کمائی کرتی ہے۔ تنہا رہتی ہے۔ شادی اور اولاد کے قیود سے آزاد رہنا چاہتی ہے۔ برتھ کنٹرول پر عمل کرتی ہے اور - - - - - - - - - اس مقام سے بہت آگے پہنچی ہوئی ہے جس درجہ پر ایشیا کا کوئی بڑے سے بڑا آزاد منش بھی کبھی پہنچا ہوگا۔ پس غور کرو کہ کیا یہ آزادی تمہیں پسند ہے؟ کیونکہ پردہ کا دور کرنا اس زمانہ میں یقیناً رفتہ رفتہ عورتوں کو اسی راستہ پر لیجائیگا جس پر ان سے پہلے انکی یورپین بہنیں گذر چکی ہیں۔ دنیا میں ہر شخص کی ہر قوم کی ہر نفس کی آزادی کی ایک حد ہے اگر عورتیں اس حد سے باہر قدم نکالیں گی جو اسلامی شریعت نے انپر مقرر کی ہے تو یاد رکھیں کہ وہ سخت نقصان اٹھائیں گی۔ ہاں جو حصہ شرع نے انپر نہیں لگایا اور وہ تکلیف دہ ہے اسے بیشک دور کر دیں وہ خدا جو تمہارے نفسوں پر تم سے زیادہ مہربان ہے تمہاری بہتری کیلئے ایک تجویز مقرر فرماتا ہے اگر اسے قبول نہ کروگی تو تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا بلکہ اس دنیا میں تمہارے اعلیٰ جوہر اور آئندہ عالم میں تمہارے نیک ثمرات برباد ہو جائیں گے۔

سوال:- پردہ اگر احکام دین میں داخل ہے تو پھر بتائیے کہ نہ کرنیوالی عورت پر اسلام نے کیا سزا مقرر کی ہے؟ اگر نہیں کی تو صاف ظاہر ہے کہ پردہ ضروریاتِ دین میں داخل نہیں ہے۔

جواب:- بیشک پردہ احکام دین میں داخل ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں اسکے متعلق مومنوں کو مخاطب کر کے صاف احکام موجود ہیں۔ مگر پردہ اسلام نے نیکی اور تقویٰ کے برقرار رکھنے اور دلی پاکیزگی اور طہارت میں امداد دینے کے لئے قائم کیا ہے۔ اس لئے اسکے نہ کرنیوالے پر تعزیر اور سزا نہیں ہے۔ یہ تو ایک نیکی ہے تقویٰ کی ایک شاخ ہے۔ پرہیزگاری کا ایک شعبہ ہے پس نہ کرنیوالا جسمانی اور قانونی تعزیر کے نیچے نہیں آئیگا۔ اسلام نے علم حاصل کرنیکا حکم دیا ہے مگر کیا کسی ایسے شخص کیلئے کوئی سزا مقرر کی ہے جو علم نہ حاصل کرے؟ قرآن نے تقویٰ کی باریک در باریک راہوں پر چلنے کے احکام پیش کیئے ہیں مگر کیا جو اعلیٰ درجہ کا متقی نہ بنے اسکے لئے قید یا تازیانہ وغیرہ سزا تجویز کی ہے؟ اسی طرح صدقات اور تہجد اور نوافل وغیرہ پر بہت زور دیا ہے مگر کیا یہ بھی کہا ہے کہ جو صدقہ نہ دے اسکو ۲۰ دُرّے لگائے جائیں اور جو نفل نہ پڑھے اسے ۵۰ دُرّے اور جو تہجد گذار نہ ہو اسے ۱۰۰ دُرّے۔ پردہ بھی نیکی اور تقویٰ کی راہوں میں سے ایک راہ ہے۔ ان باتوں میں داخل نہیں ہے۔ جنپر سزا اور حدود قائم ہوتی ہیں۔ وہ تو تین ہی قسم کی چیزیں ہیں یعنی اموال اور دماء اور اعراض کا نقصان۔ پردہ سے تو صرف نیکی اور تقویٰ میں ترقی ہوتی ہے اور انسان فتنوں اور برائیوں سے بچتے ہیں پس اگر کوئی عورت اسکا خیال نہ رکھیگی تو شریعت اسے جسمانی سزا نہ دیگی ہاں اسکی نیکی پاکیزگی اور طہارت میں فرق آجائیگا اور فتنوں کا راستہ کھلتا جائیگا۔ یہانتک کہ آخر کار ان گناہوں کے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ارتکاب تک بھی نوبت پہنچیگی جنپر شریعت نے سزا رکھی ہے۔ قرآنی شریعت نے مسلمانوں کے لئے بکثرت ایسی ہدایات دی ہیں کہ جن پر عمل کرنے سے بدی نہیں بلکہ بدی کی جڑ کٹتی ہے اور بدی پیدا ہی نہیں ہونے پاتی۔ اور پردہ بھی انہی باتوں میں سے ایک بات ہے جن سے بدیوں کا سدّ باب ہوتا ہے اور گناہ کا بیج ہی برباد کر دیا جاتا ہے۔ پس اسپر تعزیر مقرر کرنے کے کیا معنی؟ یہ اعتراض ہی لغو ہے اور شرعی تعزیرات کے اصول کو نہ سمجھنے سے پیدا ہوا ہے۔

ہاں ایک قسم کی تعزیر کا ذکر قرآن میں اُن عورتوں کیلئے موجود ہے جو پردہ کے اصول کو بالائے طاق رکھکر بیحیائی کی باتیں کرتی ہیں۔ مثلاً اپنا سنگار جان بوجھ کر نامحرموں کو دکھاتی ہیں اور زینت کا اظہار کرتی ہیں۔ اور بار بار بے شرمی کی حرکات کرتی ہیں۔ مثلاً شارع عام میں اپنی بے پردگی کرتی ہیں۔ اور غیر مردوں سے ہنسی مذاق وغیرہ کرتی ہیں۔ پس ایسی عورتوں کیلئے جو اسلامی پردہ کے حدود کو جان بوجھ کر بیحیائی اور بے شرمی سے توڑتی ہیں قرآن نے یہ حکم دیا ہے کہ ان کو گھروں سے بالکل باہر نہ نکلنے دیا جائے اور ان کو قیدیوں کی طرح گھر میں رکھا جائے تاکہ وہ اپنی حرکات سے لوگوں پر بُرا اثر نہ ڈالیں۔ پس پردہ کو خراب کرنے والیوں کی تعزیر مزید پردہ ہے تاکہ انکی اصلاح ہو جائے۔ اور اس تعزیر کیلئے یہ ضروری نہیں کہ عدالت کی طرف رجوع کیا جائے بلکہ یہ کافی ہے کہ خاوند اپنی عورت کی اور باپ یا بھائی وغیرہ ولی اپنی لڑکی اور بہن کی اصلاح کریں (والتی یاتین الفاحشة من نسائکم فاستشہدوا علیہن اربعةً منکم فان شہدوا فامسکوا ھن فی البیوت حتیٰ یتوفٰھن الموت او یجعل اللّٰہ لھن سبیلا۔ یعنی وہ عورتیں جو بے حیائی کی مرتکب ہوتی ہیں ان پر جب چار گواہوں کی گواہیاں مل جائیں تو انکو گھر میں روک رکھو اور باہر نکلنے دو یہانتک کہ وہ فوت ہو جائیں یا خدا انکے لئے کوئی راستہ نکالدے مثلاً وہ پوری اصلاح اور توبہ کرلیں۔ یا طلاق ملجائے یا اگر کنواری یا بیوہ ہوں تو انکا نکاح ہو جائے وغیرہ)

پس یہ ایک قسم کی تعزیر بھی موجود ہے مگر یہ صرف ان عورتوں کیلئے ہے جو اپنا پردہ توڑ کر بیحیائی کی بھی مرتکب ہوں۔ مثلاً جیسا اس زمانہ میں بعض لڑکیاں ذرا پڑھ جاتی ہیں تو ناولوں اور بیہودہ عشقیہ اشعار کے مطالعہ سے متاثر ہو کر رقعہ بازی اور نظر بازی اور عشق بازی میں حصّہ لینے لگتی ہیں۔ اور پردہ نظر کا اور کپڑے کا دُور کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ ایسی عورتوں کیلئے یہ شرعی تعزیر بھی موجود ہے۔ یہ حالات اس زمانہ میں بہت پائے جاتے ہیں اور یہ آوارگی دینی تعلیم کے نہ ملنے اور شرعی پردہ نہ کرنے سے ہی پیدا ہوئی ہے۔

سوال:۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتیں جنگوں میں جاتی تھیں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اور اُحد کے میدان میں تو لکھا ہے کہ ان کی پنڈلیاں تک ننگی تھیں۔ پس یہ پردہ کیسا تھا؟

جواب:۔ اُحد میں بیشک جیسا کہ آپ فرماتے ہیں یہی حال تھا مگر پردہ تو اس کے دو سال بعد جاری ہُوا ہے۔ یہ بات پردہ کے حکم سے پہلے کی ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جنگ کے میدان کی اور حیثیت ہے۔ وہاں کسی قوم کی موت اور زندگی کا سوال پیش ہوتا ہے اور تمام حالات شہری معاشرت کے ساقط ہو جاتے ہیں۔ وہاں صرف ایک مقصد ہوتا ہے کہ کسی طرح فتح حاصل ہو۔ پس ان حالات میں عورتوں کا لڑنا۔ یا زخمیوں کی خبرگیری کرنا وغیرہ سب جائز بلکہ فرض ہو جاتے ہیں۔ جنگ کے میدان کے حالات کو شہر کے حالات سے کیا مناسبت؟ جنگ میں جان مال ملک عزت دین کے سوال کا فیصلہ ہوتا ہے وہاں ضرورت ہر چیز کو جائز کر دیتی ہے۔

سوال:۔ جلبابی پردہ میں ہم کہتے ہیں کہ منہ کھلا رکھنا چاہیئے۔ آپ کے پاس اس بات کی کیا سند ہے کہ منہ کھلا نہیں رہنا چاہیئے؟

جواب:۔ گھر سے باہر والے یعنی جلبابی پردہ کی جو آیت ہے اس میں سے ہی یہ استنباط ہوتا ہے کہ باہر نکلنے والی بیبیاں اپنا سارا منہ کھلا نہ رکھیں صرف اتنا کھلا رکھنا تو مجبوری ہے جس سے نظر اچھی طرح آسکے۔

وہ آیت یوں ہے:۔ ذالک ادنیٰ ان یُعرفن فلا یُوذین۔ یعنی مسلمان عورتیں جلباب اوڑھ کر باہر نکلا کریں اس لئے کہ لوگ ان کو پہچان لیں کہ یہ مسلمان عورت آرہی ہے اور اس وجہ سے انکو تکلیف نہ ہو۔ اس سے معلوم ہُوا کہ اگر عورتیں منہ کھول کر نکلا کرتیں تو پھر جلباب کی ضرورت ہی کیا تھی۔ دوسرے یہ کہ یہاں جلباب کو مسلمان عورت کی **پہچان کا ذریعہ** قرار دیا ہے نہ کہ اس کے چہرہ کو اگر چہرہ کھلا رہتا تو وہ چہرہ پہچان کا موجب نہ ہوتا نہ کہ جلباب۔ مگر آیت نے یہ فرمایا ہے کہ مسلمان عورت چادر کو اس طرح اوڑھ کر باہر نکلے کہ چادر ہی اسکی پہچان کا ذریعہ ہو۔ اسلئے ثابت ہُوا کہ چہرہ ضرور چھپا ہُوا ہو۔ اور صرف چادر کی وجہ سے لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ یہ مسلمان عورت ہے جو جا رہی ہے۔ اسکے جسم اور چہرہ اور اعضا کی بناوٹ سے پتہ نہ لگے کہ کونسی عورت ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ جلبابی آیت امہات المومنین پر بھی اسی طرح حاوی تھی جس طرح دیگر مومنات پر اسلئے اگر چہرہ کھلے رکھنے کی اجازت ہوتی تو ان امہات المومنین کی پہچان تو مدینہ میں ہر شخص کو پہلے ہی سے تھی وہ انکے چہروں سے بخوبی واقف تھے کیونکہ وہ حجاب کے حکم سے پانچ سال پہلے ان کے سامنے بے پردہ پھرتی تھیں پھر ان کے بارہ میں یہ کیوں کہا گیا ذالک ادنیٰ ان یعرفن یعنی جب وہ بھی باہر نکلیں گی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

تو جلباب ہی کی وجہ سے لوگوں کو آسانی سے معلوم ہوسکے گا کہ یہ کوئی مسلمان عورت ہے۔ حالانکہ اگر چہرہ کُھلا رکھنے کی اجازت ہوتی تو لوگ جلباب سے نہیں بلکہ چہرہ سے ہی فوراً پہچان لیتے کہ یہ فلاں ام المومنین ہیں انکے لئے راستہ چھوڑ دو۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ام المومنین حضرت سودہؓ ایک دفعہ باہر جا رہی تھیں حضرت عمرؓ امہات المومنین کے اپنے گھروں سے باہر نکلنے کے ہمیشہ سے مخالف تھے انہوں نے انکا ڈیل ڈول اور چال دیکھ کر آواز دی کہ اے سودہ ہم نے تم کو پہچان لیا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انکا مُنہ نہیں کُھلا تھا۔ ورنہ عمرؓ یہ ہرگز نہ کہتے کہ ہم نے تم کو پہچان لیا۔ کیا کسی شخص کو جو مُنہ کھولے سامنے ہو کوئی دوسرا شخص کہہ سکتا ہے کہ ہم نے تم کو پہچان لیا۔ یہ فقرہ اسی وقت بولا جاتا ہے جب دوسرا انسان کا چہرہ وغیرہ مخفی ہو۔

سوال:۔ جلبابی پردہ میں اگر مُنہ نہ کُھلا ہو تو عورت چل کس طرح سکیگی اور بغیر نظر کے وہ رستہ کیونکر طے کریگی؟

جواب:۔ یہ کس نے کہا ہے کہ آنکھیں بند کر کے چلے۔ سینکڑوں ہزاروں حیادار عورتیں گھونگٹ نکالکر بازاروں میں جاتی ہیں۔ اسی طرح بُرقعہ کی جالی یا انگریزی ویل یعنی باریک نقاب میں سب کچھ نظر آتا ہے بہر حال ایسا بندوبست ہر ملک کی شریف عورتوں نے کیا ہُوا ہے جس سے نظر اپنا کام کر سکے اور باقی چہرہ چھپا رہے۔ آپکو جو طرز پسند ہو اختیار کریں۔ خواہ گھونگٹ۔ یا نقاب یا بُرقعہ کی جالی۔ یا مصری طرز یا چادر کے نیچے دوپٹہ کا ایسا بُکل مارنا ماری ہیں۔ کہ اوپر سے ماتھا بند ہو جاتا ہے اور نیچے سے نصف ناک تک۔ صرف بیچ میں سے آنکھیں کُھلی رہتی ہیں۔ یا اگر یہ سب ناپسند ہوں تو خود کوئی نئی ایجاد کر لیں۔ تاکہ عورتیں آپکا احسان مانیں۔

سوال:۔ مہندی زینت ہے یا نہیں؟ کیونکہ سُنا ہے کہ مسلمان عورتوں کو مہندی لگانے کا حکم ہے۔ پھر جب مجبوری سے ہاتھ باہر نکالیں گی تو ہر شخص کی نظر پڑیگی۔ اور بقول آپکے فتنہ پیدا ہوگا۔

جواب:۔ مہندی لگانے کا کوئی حکم اسلام نے نہیں دیا۔ مرضی ہے کوئی لگائے یا نہ لگائے جہاں ہندوستانی عورتیں بہت سی اور عادات میں مبتلا ہیں یہ بھی ان میں سے ایک ہے۔ اصل میں تو یہ اسلئے لگائی جاتی تھی کہ گھر کے کام کاج۔ اور برتن مانجنے وغیرہ سے عورتوں کے ہاتھ اکثر میلے رہتے تھے۔ اور باوجود صاف کرنے کے ان میں نرمی اور صفائی نہ آتی تھی اس لئے مہندی کا رواج ہوگیا کہ یہ عیب ڈھک جائے۔ لیکن کیا کہوں خدا شاعروں سے سمجھے انہوں نے اس مہندی کو جو ایک معمولی عیب پوش چیز تھی کہاں تک پہنچایا کہ آخر کار عاشقوں کا خون بنکر معشوقوں کے ہاتھوں اور پیروں میں اسے جگہ ملی!

آجکل تو مہندی کا رواج ہی اُٹھا جاتا ہے۔ اور چند دن تک غالباً وہ فرید آباد کے بازاروں میں بھی دستیاب نہ ہو سکیگی۔ پس آپ اسکے فتنہ سے نہ ڈریں۔ اگر ایسا ہی ڈر ہے تو دستانے اور جرابیں حاضر ہیں۔ ایسی عورتیں باہر نکلیں تو ان چیزوں کا استعمال کر سکتی ہیں۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

سوال:۔ پردہ صحت کیلئے مضر ہے۔

جواب:۔ بیشک بعض جگہ کا رواجی پردہ ممکن ہے کہ صحت کیلئے مضر ہو۔ مگر شرعی پردہ تو ایسا نہیں ہے۔ شرعی پردہ میں ہر عورت بازار میں جنگل میں باغ میں اور سفر پر جا سکتی ہے۔ گھروں کے اندر کھلے منہ پھر سکتی ہے۔ پس صحت کیلئے کسی جگہ بھی ضرر کی کوئی بات نہیں۔ دوڑنا بھاگنا۔ زنانہ کلب میں کھیل وغیرہ سب جائز ہیں۔ آنحضرت صلعم اور حضرت عائشہؓ کا دوڑ کرنا ایک مشہور حدیث میں آیا ہے۔ رہا یہ کہ یورپ میں عورتوں کی طرح انکی صحت نہیں ہوتی اسکی وجوہات اور ہیں۔ قومی آزادی۔ حکومت۔ دولت۔ صحت کے قوانین پر چلنا۔ اعلیٰ غذائیں وغیرہ اسکے وجوہات ہیں جو ہندوستانی عورتوں کا کیا ذکر مردوں کو بھی حاصل نہیں ہیں۔ جہالت غربت افلاس ادنیٰ خوراک اندھیرے نمناک گھروں اور متعفن گلی کوچوں کی بدولت عورتیں ہی نہیں بلکہ ہندوستانی مرد بھی بکثرت ہلاک ہوئے ہیں اور مرد عورتوں کی نسبت زیادہ ہلاک ہوئے ہیں کیونکہ غور سے دیکھو گے تو معلوم ہوگا کہ اوسطاً ہر بستی میں بیوہ عورتیں رنڈوے مردوں سے زیادہ تعداد میں پائی جائینگی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مرد زیادہ مرتے ہیں بہ نسبت عورتوں کے پس پردہ کی وجہ سے عورتوں کی ہلاکت محض ایک جھوٹا بہانہ ہے۔

سوال:۔ پردہ عورتوں کیلئے علم کے حاصل کرنے میں روک ہے۔

جواب:۔ یہ بھی غلط ہے۔ جہاں ایسا رواجی پردہ ہے کہ عورت اپنی آواز غیر مرد کو نہیں سنا سکتی اور مرد غیر محرم عورت سے بات چیت نہیں کر سکتا۔ وہاں ممکن ہے کہ علم حاصل کرنے میں دقت ہو مگر اسلام اسکا ذمہ وار نہیں۔ اسلامی پردہ حالانکہ امہات المومنین کیلئے دیگر مومنات سے بہت زیادہ سخت تھا مگر علم حاصل کرنا تو الگ وہ تو سارے جہان کی معلّمہ بنی ہوئی تھیں۔ اور دور دور سے لوگ انکے پاس دین حاصل کرنے آتے تھے۔ پس یہ عذر آپکا بالکل غلط ہے۔ علم کو پردہ سے تعلّق نہیں۔ پرائمری تعلیم لڑکیاں بلوغت سے پہلے حاصل کر سکتی ہیں اس سے زیادہ پڑھانا ہو تو انکو وہ علم پڑھاؤ جو عورتوں کے مناسب حال ہوں۔ باپ بھائی خاوند لڑکے اپنے گھروں میں علم کا چرچا قائم رکھ سکتے ہیں۔ اور عورتوں کو بہت کچھ تعلیم دے سکتے ہیں۔ گھر میں ہر مضمون کی مفید کتابیں مطالعہ کے لئے مہیّا ہو سکتی ہیں۔ قرآن اور دینی کتابیں مترجم مل سکتی ہیں۔ باقی بی اے یا مولوی فاضل یا ادیب فاضل بنانا کم از کم میری رائے میں بالکل لغو بات ہے کیونکہ یہ ڈگریاں اور علوم مردوں کی روٹی کمانے کیلئے ہیں اور خدا نے عورت کو روٹی کمانے والے علوم پڑھنے کے لئے نہیں پیدا کیا۔ بلکہ اس لئے کہ مرد اسے کما کر کھلائے اور وہ گھر کا انتظام اور بچّوں کی تربیت کرے۔ اور انکو نیک اور دیندار بنائے۔ سو یہ علوم جن میں خانہ داری۔ نرسنگ۔ ابتدائی حفظان صحت۔ بچّوں کی نگرانی اور انکا پالنا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اور تربیت وغیرہ داخل ہیں۔ عورتیں اپنے گھروں میں ہی سیکھ سکتی ہیں اور اپنے ہی مردوں سے ان کتابوں پر عبور کرسکتی ہیں۔ ایم۔اے یا بی۔اے پاس عورت کا دماغ ایک مرد کا دماغ ہوجاتا ہے اسمیں سے نسائیت کا جوہر نکل جاتا ہے۔ اور اس سے کسی مرد کی شادی ایسی ہے جیسے کسی ایک مرد کی دوسرے مرد کے ساتھ شادی۔ لوگ خوشیاں مناتے ہیں کہ خوب جوڑا ملا۔ دونو ایک علم کے میاں بیوی مل گئے۔ حالانکہ ایک ماہ بعد ہی ایسی بیوی بلائے جان ثابت ہوتی ہے جس طرح دو مردوں کا میاں بیوی ہونا خلاف فطرت ہے۔ ایسے ہی ایسی عورت کا بیوی بننا جو پوری مردانہ تعلیم پائی ہوئی ہو ناممکن ہے کیونکہ چند روز کے بعد ہی یہ "علم والی" عورت خاوند سے اسی طرح بیزار ہوجاتی ہے جیسے آجکل امریکہ اور یوُرپ میں ہو رہا ہے۔ جہاں اب تعلیم یافتہ عورت عورت نہیں بلکہ مرد ہے۔ اور بسبب مرد ہونے کے وہ نہ عورت کے فرائض بجالاسکتی ہے نہ مرد کے لئے باعث راحت اور رحمت اور مودّت ہوسکتی ہے چنانچہ دیکھ لو کہ کئی ایسی تعلیم یافتہ" عورتیں ایک ایک سال میں بیس بیس طلاقیں حاصل کرتی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وہ بسبب مرد بنجانے کے پھر کسی مرد کے گھر میں بس نہیں سکتیں۔ عورت کا کمال یہ ہے کہ وہ عورت ہی رہے اور اپنے ہی دائرہ میں ترقی کرے۔ یا اگر مردانہ علوم میں کامل ہوجائے تو پھر شادی اور خانہ آبادی نہ کرے۔ کیونکہ یہ حالت عورت کا کمال نہیں ہے بلکہ تنزّل ہے۔ انشاء اللہ **عورتوں کی تعلیم** کے مضمون پر میں آئندہ کسی وقت مفصّل اپنے خیالات کا اظہار کرونگا اور موجود طرز جو عورتوں کی تعلیم کی لوگ اختیار کرتے جاتے ہیں ان کے خطرات اور بدنتائج اور یوُرپ کی کورانہ تقلید کے نقصانات پر تفصیل سے بحث کرونگا۔ کیونکہ یہ بڑا لمبا اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔ وباللہ التوفیق۔

سوال:۔ لنڈن کے بازار میں ایک چادر یا برقعہ پوش عورت گذر رہی ہو جہاں موٹروں کی کثرت کی وجہ سے ہر ۲۰ یا ۳۰ سیکنڈ پر پولیس کنسٹبل کبھی ایک طرف کے لوگوں کو گذارتا ہے کبھی دوسری طرف کے۔ ایسے موقعہ پر اسکے مُنہ پر گھونگٹ ہو یا اُلجھنے والا پردہ ہو تو عورت کی جان کا خطرہ ہے۔ وہاں جلبابی پردہ نہیں چل سکتا۔

جواب:۔ بیشک ایسے موقعہ پر چادر یا بُرقعہ نہیں چل سکتا مگر وہ لوگ اگر چاہیں تو اپنے ہی لباس میں جلبابی پردہ بنا سکتے ہیں۔ یعنی لمبا کوٹ۔ ہیٹ اور اسکے گرد باریک نقاب۔ اب بھی کئی معزز یوروپین عورتیں ایسا لباس پہنتی ہیں۔ ذراسی ترمیم کی ضرورت ہے۔

یہ کون کہتا ہے کہ جب یوروپین عورت مسلمان ہوجائے اور پردہ کرنا چاہے تو وہ ہندوستان کا ہی بُرقعہ یا چادر پہنے۔ وہ اپنے ملک کے لباس میں خفیف سی ترمیم کے بعد وہی حالت جلباب والی پیدا کرسکتی ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اسی طرح ٹوپی کی جگہ شال سے سر اور چہرہ کا ایک حصہ چھپا سکتی ہے بلکہ چھتری سے بھی مدد لے سکتی ہے۔ رومن کیتھلک ننوں کو دیکھو۔ کیا یہ لنڈن میں نہیں پھر سکتیں؟ اگر یہ پھر سکتی ہیں تو ایک مسلمان عورت بھی پھر سکتی ہے۔ ننوں کا لباس اور نقاب ملکر پورا جلبابی پردہ بن جاتا ہے۔ اگر نقاب اُٹھانا ہو تو چہرہ کا نچلا حصہ صرف ایک رومال سے چُھپ سکتا ہے جو بائیں ہاتھ سے مُنہ پر رکھ لیا جائے۔ غرض عمل کرنا ہو تو ہر طریقہ سے ہو سکتا ہے۔ اور ٹالنا ہو تو خُوئے بد را بہانۂ بسیار ؂ والسّلام

مسئلہ ختم نبوّت

إِنَّ اللّٰہ و ملآئکتہ یصلّون علی النبی۔ یا ایّہا الّذین اٰمنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیما۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے خاتم النّبیین ہونے پر سب سے بڑی دلیل قرآن کی یہ آیت پیش کی جاتی ہے۔ کہ ماکان محمدٌ ابا احد من رجالکم ولٰکن رسول اللّٰہ وخاتم النّبیّن وکان اللّٰہ بکل شیءٍ علیما۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلّم تم میں سے کسی ایک مرد کے بھی باپ نہیں۔ لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ اس آیت میں لفظ خاتم بحث طلب ہے۔ کیونکہ آیت کی انتہا اور ابتدا سیاق و سباق میں نبوّت کی بندش یا اجراء کا خفیف سا ذکر تو الگ رہا اشارہ کنایہ بھی نہیں نہ اس میں کوئی ایسا لفظ ہے جس پر بحث کی ضرورت ہو۔ اسلیئے ہم صرف اس لفظ پر بحث کرتے ہیں اور سب سے پہلے لفظ خاتم کے محاورہ کو قرآن شریف میں دکھاتے ہیں۔

اوّل مرتبہ یہ لفظ پہلے پارہ کے دوسرے رکوع میں آیا ہے ختم اللّٰہ علیٰ قلوبہم و علیٰ سمعہم و علیٰ ابصارہم غشاوۃ ولہم عذاب عظیم۔ دوسری جگہ ساتویں پارہ کے گیارھویں رکوع میں۔ قل ارئیتم ان اخذ اللّٰہ سمعکم و ابصارکم وختم علیٰ قلوبکم من الٰہٌ غیر اللّٰہ یاتیکم بہٖ۔ تیسری جگہ پچیسویں پارہ کے ۱۹ رکوع میں۔ افرءیت من اتخذ الٰہہ ہواہ و اضلہ اللّٰہ علیٰ علم وختم علیٰ سمعہٖ وقلبہٖ۔ چوتھی جگہ۔ فان یشاء اللّٰہ یختم علیٰ قلبک۔ پانچویں جگہ۔ سورہ یٰس کے تیسرے رکوع میں الیوم نختم علیٰ افواہہم۔ چھٹی اور ساتویں جگہ۔ آخری پارہ میں۔ مختومٌ ختامہ مسک۔ گویا سات جگہ قرآن شریف میں یہ لفظ آیا ہے۔ اور ایک جگہ بھی بند کرنے اور روکنے کے معنی میں استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ یہ طبع یعنی مُہر کرنیکے معنوں میں استعمال ہوا۔ جیسا کہ ایک جگہ ختم علیٰ قلوبکم آیا ہے۔ تو دوسری جگہ۔ وطبع علیٰ قلوبہم فہم لا یفقہون پ ۱۰ ع ۱۱ میں استعمال ہوا۔ قرآن کے محاورہ میں تو بند کرنے اور روکنے کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ اب حدیث شریف میں دیکھیئے:۔ عن سبع نہانا عن خاتم الذہب او قال حلقۃ الذہب۔ کہ محمد صلعم نے سات چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ سونے کی انگوٹھی اور سونے کے چھلے سے۔ (۵) انہ نہی عن خاتم الذہب و قال عمر کہ آپ نے سونے کی انگوٹھی کا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

پہننا منع فرمایا اور عمرؓ نے کہا (۶) اِتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ وَجَعَلَ فَصَّهٗ مِمَّا يَلِي كَفَّهٗ کہ محمد صلعم نے سونے کی انگوٹھی پہنی اور اس کا نگینہ ہتھیلی کی طرف کرلیا۔ (۷) واتخذ خاتما من ورق او فضة کہ سونے کی انگوٹھی حضورؐ نے پھینکدی اور چاندی کی پہنی۔ (۸) اتخذ خاتما من ذهب وجعل فصه مما يلي باطن كفه کہ محمد صلعم نے ایک سونے کی انگوٹھی پہنی اور اسکا نگینہ ہتھیلی کی طرف پھیر لیا۔ (۹) ثم اتخذ خاتما من فضة کہ حضورؐ نے پھر ایک چاندی کی انگوٹھی پہنی (۱۰) فاتخذ الناس خواتيم الفضة کہ اور لوگوں نے بھی چاندی کی انگوٹھی پہنی (۱۱) قال ابن عمر فلبس الخاتم بعد النبي صلعم ابو بكر ثم عمر الخ۔ کہ ابن عمر نے کہا کہ بعد نبی صلعم کے وہ انگوٹھی ابو بکرؓ نے انکے بعد عمرؓ نے پہنی۔ (۱۲) يلبس خاتما من ذهب (۱۳) فنبذه فقال لا البسه ابدا فنبذ الناس خواتيمهم کہ محمد صلعم نے سونے کی انگوٹھی پہنی تھی۔ پھر پھینکدی اور کبھی نہ پہنی۔ اور دوسرے آدمیوں نے بھی۔ (۱۴) خاتما من ورق يوما واحدا (۱۵) ثم ان الناس اصطنعوا الخواتيم من ورق کہ حضورؐ کے ہاتھ میں ایک روز چاندی کی انگوٹھی دیکھی پھر آدمیوں نے بھی ایسی انگوٹھیاں بنالیں۔ (۱۶) خاتما آخر ليلة صلوٰة العشاء (۱۷) الى شطر الليل ثم اقبل علينا بوجهه فكانى انظر الى وبيص خاتمه کہ حضرتؐ نے انگوٹھی پہنی ہے یا نہیں۔ ایک دفعہ آپؐ نے عشاء کی نماز میں تاخیر کردی کہ قریب آدھی رات ہو گئی۔ تو میں نے آپکی انگوٹھی کی چمک دیکھی (۱۸) كانه خاتمه من فضة وكان فصه (۱۹) ولو خاتما من حديد (۲۰) فذهب ثم رجع فقال لا والله ولا خاتم من حديد۔ آپ نے فرمایا کہ جا لوہے کی انگوٹھی لے آ۔ وہ پھر گیا اور آیا کہ لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں۔ (۲۱) ان النبي اذا اراد ان يكتب الى رهط او الناس من الاعاجم فقيل له انهم لا يقبلون كتابا الا عليه خاتم (۲۲) فاتخذ النبي خاتما من فضة نقشه محمد رسول الله (۲۳) فكانى انظر وبيص الخاتم الخ (۲۴) رسول الله خاتم من ورق کہ رسول کریمؐ نے عجم کے لوگوں کی طرف خط بھیجنے کا ارادہ کیا تو صحابہؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ جب تک خط بھیجنے والے کے خط پر مہر نہ ہو وہ اس خط کو نہیں لیتے۔ تب آپ نے ایک چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس میں محمد رسول اللہ کھدوایا۔ میں اسکی چمک ہتھیلی میں دیکھتا تھا۔

(بخاری پارہ ۲۴ کتاب اللباس)

صرف ان دو درجن حوالوں پر اکتفا کرتا ہوں اوّل قرآن سے دکھادیا۔ کہ کلام الٰہی میں لفظ خاتم بند کرنے اور روکنے کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ پھر کلام الٰہی جن پر نازل ہوا انکے کلام میں دکھادیا۔ کہ وہ خود بھی لفظ خاتم کو بند کرنے اور روکنے کے معنوں میں استعمال نہیں کرتے۔ اب انکے بعد حضورؐ کی صحبت میں رہنے والے صحابہؓ اور ازواج مطہراتؓ بھی اس لفظ کو بند کرنے اور روکنے کے معنوں میں استعمال نہیں فرماتے۔ مثلاً حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ قولوا خاتم النبيين ولا تقولوا لا نبي بعده کہ تم محمد صلعم کو خاتم النبیین تو کہو مگر یہ مت کہو کہ آپکے بعد نبی نہیں۔ اسی طرح درّ منثور میں امام جلال الدین سیوطی نے مغیرہ ابن شعبہ کا قول لکھا ہے خاتم الانبیاء لا نبي بعده فقال المغيرة ابن شعبة حسبك اذا قلت خاتم الانبياء کہ تمہارے لئے خاتم الانبیاء کہنا کافی ہے۔ لا نبی بعدی کہنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ حضرت عیسیٰؑ آپ کے بعد آنیوالے ہیں۔

خاتم النبیین کے معنی۔ آنحضرتؐ کی زبان سے۔ انا خاتم الانبياء وانت يا علي خاتم الاولياء (دیکھو تفسیر صافی)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

نائٹری فائی اَنگ بیکٹیریا کہتے ہیں۔ اور جو درختوں کی جڑھوں کے ساتھ چمٹے ہوتے ہیں) پھاڑ دیتے ہیں۔ اور اس عمل کے نتیجہ میں نائٹروجن جو غذائے انسانی کا لازمی جزو ہے۔ آزاد ہو کر پودوں کی جڑھوں میں جذب ہو جاتی ہے۔ اور پھر سبز پتوں اور سورج کی روشنی کے ساتھ ملکر مرکّب غذا بن جاتی ہے۔ نائٹروجن ہماری زندگی کے قیام کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اگرچہ ہم سانس کے رستے بہت سی نائٹروجن گیس خون میں لے جاتے ہیں۔ مگر وہ جزوِ بدن نہیں بن سکتی۔ اسی طرح اگرچہ ہوا میں نائٹروجن گیس موجود ہے مگر سبز پتے اس گیس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ پس نائٹروجن کے حصول کا نیچر نے یہ طریق رکھا ہے کہ بے جان حیواناتی اور نباتاتی مادہ پہلے زمین میں ملے۔ اور پھر ان جراثیم کی مدد سے جن کا نام اوپر لکھا گیا ہے۔ اس مادہ کو پھاڑ کر نائٹروجن گیس کو نکالا جائے۔ گویا اس طرح نائٹروجن مرکّب صورت سے مفرد صورت میں بدل جاتی ہے۔ وہاں سے پھر مفرد نائٹروجن اور کاربن ڈائی آکسائڈ گیس (جو ہوا میں ہوتی ہے) سورج کی روشنی کی مدد سے سبز پتوں میں مرکّب صورت اختیار کر لیتی ہے۔ جو نشاستہ۔ چینی۔ دال اور مختلف سبزیوں اور پھلوں کی صورت میں ہم تک پہنچتی ہے۔ پودے اور انسان دونو نائٹروجن کے محتاج ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ پودے مفرد نائٹروجن کھاتے ہیں۔ اور ہم کو نائٹروجن مرکّب صورت میں کھانی پڑتی ہے۔ جس کے لئے ہم کو پودوں کا ممنون ہونا پڑتا ہے۔ تو گویا اس طرح یہ ایک دَور چل رہا ہے جس پر پودہ انسان اور حیوان سب کی زندگی کا دار و مدار ہے۔ پس ضروری ہے کہ زمین کے اندر حیوانی اور نباتاتی بے جان مادہ ملتا رہے۔ تاکہ نائٹروجن کا یہ دَور ختم نہ ہو۔ فرض کرو کہ اگر تمام بے جان حیوانی اور نباتاتی مادہ زمین میں دفن کرنا بند کر دیا جائے۔ تو ایک وقت ایسا آئیگا کہ زمین نائٹروجن سے خالی ہو جائیگی اور زندگی کا دَور بھی ختم ہو جائیگا۔ اس سے معلوم ہُوا کہ تمام بے جان مادہ خواہ وہ حیوانی ہو یا نباتاتی اسکو زمین میں ملتے رہنا چاہیئے۔ تاکہ نائٹروجن پودوں کو ملتی رہے (جس سے ہماری خوراک بنتی ہے) چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ گوبر۔ بَول و براز۔ درختوں کے گرے ہوئے پتے کوڑا کرکٹ۔ حیوانوں اور پرندوں کی لاشیں۔ یہ سب قدرتی طور پر زمین میں ملتے رہتے ہیں۔ جس سے زمین کی نائٹروجن ختم نہیں ہوتی۔ اور زندگی کا دَور خود بخود چل رہا ہے۔ لیکن اگر تمام کھاد۔ اور حیوانی اور انسانی لاشوں کو بجائے دفن کرنے کے جلانا شروع کر دیا جائے۔ تو تمام کی تمام نائٹروجن ضائع ہو جائے اور زمین میں سے نائٹروجن ختم ہو جانے کے باعث غذا انسانی بننی بند ہو جائے۔ پس معلوم ہُوا کہ بائیولاجیکل طریق یہی ہے کہ تمام نباتاتی اور حیوانی بے جان (آرگینک) مادہ دفن کیا جائے نہ کہ جلایا جائے۔ انسان کا جسم بھی چونکہ اسی زمرے میں شامل ہے۔ اسلئے اسکے لئے بھی وہی طریق

Digitized by Khilafat Library Rabwah

میں لکھا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی میں خاتم الانبیاء ہوں اور تم خاتم الاولیا رہو۔ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہ کی جوتیوں کے صدقے میں لاکھوں ولی پیدا نہیں ہوئے تو ضرور حضرت رسول کریمؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ نہ حضرت مسیح ناصری آ سکتے ہیں نہ مسیح محمدی آ سکتے ہیں

دوسرے معنی۔ فانی آخر الانبیاء وان مسجدی آخر المساجد (دیکھو صحیح مسلم شریف صفحہ ۴۴۶ کتاب الحج فی فضائل الصلوٰۃ فی مسجد مکہ مدینہ) یعنی میں آخر الانبیاء ہوں اور میری مسجد آخری مسجد ہے۔ اگر حضرتؐ کی مسجد کے بعد میں لاکھوں مسجدیں نہیں تعمیر ہوئیں تو ضرور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی بھی نہیں آ سکتا۔ خواہ وہ ابن مریم ہو یا ابن موسیٰ ہو۔ فضائل الصلوٰۃ میں درج کرنیکا مطلب بھی یہ ہے کہ تمام مساجد کی نسبت افضل ہے۔

تیسرے معنی۔ اسیطرح حضور صلعم نے اپنے آپکو خاتم الانبیاء اور حضرت عباسؓ کو خاتم المہاجرین فرمایا ہے۔ اگر حضرت عباسؓ کے بعد ہجرت کا سلسلہ جاری نہیں اور اسوقت تک لاکھوں بزرگوں نے مکہ مدینہ کو ہجرت نہیں کی۔ اور علماء دیوبند کے فتوے کے مطابق کابل کو ہجرت کر کے ہزاروں مسلمان نہیں گئے تو بیشک محمد صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔

چوتھے معنی۔ انی عبد اللہ وخاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینتہ۔ کہ میں خدا کا بندہ ہوں اور خاتم النبیین ہوں اسوقت سے جبکہ آدمؑ اپنی طینی حالت میں تھا۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا۔ کہ حضور صلعم حضرت آدمؑ کی پیدائش سے قبل بھی خاتم النبیین تھے۔ اب اگر خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ حضورؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا تو حضرت رسالت مآب کے ظہور سے قبل اور حضرت آدمؑ کے بعد ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی کس طرح تشریف لائے۔

پانچویں حدیث۔ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا اوّل من یأخذ بحلقۃ الجنۃ فیفتحھا ومعی فقراء المومنین وانا سیّد الاولین والآخرین من النبیین (رواہ الدیلمی) کہ میں فقراء المومنین کے ساتھ سب سے پہلے جنت میں جاؤنگا اور میں اپنے سے پہلے اور بعد کے تمام نبیوں کا سردار ہوں۔ اس جگہ فرض کرلو کہ حضرت عیسیٰؑ محمد صلعم سے پہلے کے نبی ہیں اور نیا نبی نہیں آ سکتا۔ تو اس صورت میں محمد صلعم کو صرف اسقدر فرما دینا کافی تھا کہ میں اپنے سے پہلے انبیاء کا سردار ہوں۔ اور اس فقرہ میں حضرت مسیح ناصری بھی آ جاتے مگر محمد صلعم کا یہ فرمانا کہ اپنے سے پہلے اور بعد کے تمام انبیاء کا میں سردار ہوں اس بات کی صریح دلیل ہے کہ آپکے بعد بھی نبی آنیوالے ہیں۔

صحابہؓ کی رائے۔ قولوا انہ خاتم الانبیاء ولا تقولوا لا نبی بعدہ یعنی خاتم الانبیاء تو کہو مگر یہ مت کہو کہ آپکے بعد نبی نہیں آئیگا۔

دوسرا قول۔ حضورؐ کے صحابی حضرت مغیرہ ابن شعبہ کے سامنے کسی نے خاتم الانبیاء لا نبی بعدہ کہا تو حضرت مغیرہ نے جواب دیا کہ حسبک اللہ اذا قلت خاتم الانبیاء فانا کنا نحدث عن عیسیٰ علیہ السلام یعنی تمہارے لئے خاتم الانبیاء کہنا کافی ہے لا نبی بعدہ مت کہو۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ آپ کے بعد عیسیٰؑ پیدا ہونگے۔

محدثین کی رائے۔ حضرت ملا علی قاری موضوعات کبیر کے صفحہ ۶۹ میں لکھتے ہیں کہ المعنی انہ لا یاتی نبی بعدہ ینسخ ملتہ ولم یکن من امتہ یعنی محمد صلعم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئیگا جو آپکے مذہب کو منسوخ کرے اور آپکی امت سے نہ ہو۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

دوسرا قول - حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تفہیمات الٰہیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ ختم بہ النبیون لا یوجد من یامرہ اللہ سبحانہ بالتشریع علی الناس۔ یعنی آنحضرتؐ پر نبیوں کے ختم ہونیکے یہ معنی ہیں کہ آپکے بعد کوئی ایسا نبی نہ آئیگا۔ جو آپکے دین کو منسوخ کرے۔ اور اللہ اسکو شارع نبی بنا کر بھیجے گویا غیر صاحب شریعت نبی ضرور آسکتا ہے۔

تیسرا قول - حضرت مولانا مولوی محمد قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند اپنی کتاب تحذیر الناس کے صفحہ ۲ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ تقدم یا تاخر زمانی بالذات کچھ فضیلت نہیں رکھتا۔ پھر مقام مدح میں۔ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرمانا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے"

پھر اسی کتاب کے اسی صفحہ پر فرماتے ہیں۔ کہ "موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے" پھر صفحہ ۴ پر لکھا ہے "اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی خاتمیت کو تصور فرمائیے۔ آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں۔ اور نبی موصوف بالعرض" پھر صفحہ ۱۴ پر لکھا ہے کہ بایں معنی جو میں عرض کیئے آپ کا خاتم ہونا انبیاء گذشتہ کی نسبت خاص ہوگا۔ بلکہ بالفرض آپکے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو تو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور قائم رہیگا" پھر صفحہ ۲۸ پر لکھا ہے کہ "بالفرض بعد زمانہ نبوی کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہ آئیگا۔ چہ جائیکہ آپکے معاصر کسی اور زمین یا اسمیں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے" کس قدر واضح طور پر ختم کے معنی کیئے ہیں۔

مفسرین کی رائے - علامہ زمخشری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں خاتم بفتح بمعنی الطابع وبکسرھا بمعنی الطابع وفاعل ختم یعنی خاتم تے کی زبر کے ساتھ ہو تو اسکے معنی مہر کے ہوتے ہیں۔ تے کی زیر کے ساتھ ہو تو ختم کرنیوالے اور مہر کر دینے والے کے بھی ہوتے ہیں اور قرآن شریف میں ت پر زبر ہے۔

دوسری شہادت - علامہ ابو حیان فرماتے ہیں وخاتم بکسر التاء بمعنی انہ منہم ای جاء آخرھم وبفتح التاء بمعنی انہ ختموا فھو کالخاتم والطابع لھم۔

تیسرا قول - علامہ شیخ طاہر مجمع البحار الانوار صفحہ ۸۵ میں تحریر فرماتے ہیں وھٰذا لاینافی الحدیث لا نبی بعدی لانہ اراد لا نبی ینسخ شرعہ۔ یعنی حضرت عائشہؓ کا قول ولا تقولوا لا نبی بعدہ کے خلاف نہیں۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا کہ جو حضورؐ کی شریعت کو منسوخ کرے۔

علماء کا محاورہ - امام جلال الدین سیوطی کو علماء کرام نے خاتم الحفاظ والمحدثین۔ اور علامہ ابن تیمیہ کو خاتم المجتہدین اور حضرت ابن عربی کی نسبت خاتم الاولیاء اور امام شوکانی کی نسبت آخر المجتہدین اور علامہ محمد قاسم بانی مدرسہ دیوبند نے لکھا ہے۔ مولف تحفہ حجۃ اللہ فی العالمین خاتم المحدثین والمفسرین شاہ عبد العزیز علیہ الرحمۃ۔ اور ہمیشہ خاتم المفسرین خاتم الحکماء خاتم الشعراء علماء نے استعمال کیا ہے۔

شعراء کی رائے - حسن بن وہب نے ابو تمام کی وفات پر نوحہ میں لکھا ہے۔ ؎ فجع القریض بخاتم الشعراء وغدیر روضتہا حبیب الطائی

انوری بادشاہ غیاث الدین کی نسبت لکھتا ہے۔ ؎ ختم شد بر او سخاوت بر من مسکین سخن + چوں شجاعت بر علی بر مصطفٰےؐ پیغمبری۔

مولانا ظفر علیخان صاحب ایڈیٹر زمیندار ۲۳ مارچ ۱۹۲۸ء میں لکھتے ہیں ؎ جو چلا آتا ہے یثرب میں ابھی تک سر بمہر + پھر اسی خمخانہ سے بھر دے ہمارے جام کو۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

سر محمد اقبال بانگ درا صفحہ ۸۹ میں لکھا ہے۔ ؎ چل بسا داغ آہ میت اسکی زیب دوش ہے ✤ آخری شاعر جہاں آباد کا خاموش ہے
پھر اسی نظم میں اقرار کرتے ہیں کہ داغ کے بعد اور بھی شاعر موجود ہے۔ ؎ اُٹھ گئے ساقی جو تھے میخانہ خالی رہ گیا ✤ یادگار بزم دہلی ایک حالی رہ گیا۔

در شعر سہ کس پیمبرانند ✤ ہر چند کہ لانبی بعدی۔ ابیات قصیدہ و غزل را ✤ فردوسی و انوری و سعدی (دیکھو مقالات حالی)

اہل لُغت اور لفظ خاتم لسان العرب۔ تاج العروس۔ صحاح جوہری۔ منتہی الارب۔ صراح۔ غرضیکہ تمام لُغت کی کتاب اس بات پر متفق ہیں کہ خاتم کی ت پر جب زبر ہوگا تو اسکے معنی مُہر کے ہونگے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن شریف کے محاورہ میں خاتم کے معنی بند کرنے اور روکنے کے نہیں۔ احادیث میں بند کرنے اور روکنے کے نہیں۔ محمد صلعم نے کبھی اس لفظ کو بند کرنے اور روکنے کے معنوں میں استعمال نہیں کیا۔ صحابہ کرام کا یہ عقیدہ نہیں۔ مفسرین محدثین اور علماء اور اہل لُغات بند کرنے اور روکنے کے معنوں میں استعمال نہیں کرتے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ محمد صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا۔ اور خود بھی حضرت عیسیٰؑ کی آمد کے منتظر ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کی آمد سے تمام اسلامی کُتب بھری پڑی ہیں قرآن شریف میں کوئی ایک پارہ یا ایک سورۃ بلکہ ایک آیت ایسی موجود نہیں جس کا یہ مطلب ہو۔ کہ اب کوئی رسول نہیں آئیگا۔ بلکہ اسکے برعکس قرآن شریف میں یہ لکھا ہوا ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اب کوئی نبی نہیں آئیگا وہ گمراہ ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔
ولقد جاءکم یوسف من قبل بالبینات فما زلتم فی شك مما جاءکم به حتی اذا هلك قلتم لن یبعث الله من بعده رسولا کذلك یضل الله من هو مسرف مرتاب پارہ ۲۴۔ رکوع ۹۔ اور تحقیق آیا تمھارے پاس یوسفؑ پہلے اسکے ساتھ نشانوں کے تو ہمیشہ رہے تم شک میں۔ اس سے آیا تمھارے پاس ساتھ اسکے یہاں تک کہ جب وہ یوسفؑ ہلاک ہوگیا۔ تو کہا تم نے کہ ہرگز نہ بھیجے گا اللہ بعد اسکے کوئی پیغمبر اسی طرح گمراہ کرتا ہے۔ اللہ اسکو جو ہے خطاکار شکی۔
اس آیت سے یہ ثابت ہوگیا۔ کہ جو قوم یہ کہتی ہے کہ اب کوئی رسول نہیں آئیگا وہ گمراہ ہے۔

ناظرین یہ نہایت مختصر اعتراضات ہیں۔ کسی بڑے مولوی کے پاس ان اعتراضات کو آپ لے کر جائیے۔ تو مولوی صاحب کے دانتوں کو پسینہ آجائیگا۔ حواس جاتے رہینگے۔ جھاگوں سے مُنہ بھر جائیگا۔ چہرہ تمتما جائیگا۔ اور جواب شافی دینے کی بجائے غصہ آجائیگا۔ یہ علمی زمانہ ہے۔ اور یہ علمی بات ہے۔ گالیاں دینے اور کافر و مردود و دجّال الملحد کہنے سے معترض کو ہرگز تسلّی نہیں ہو سکتی اسلئے آپ اگر اس علمی بحث کو ملاحظہ فرمانا چاہتے ہیں اور تحقیق کر کے کسی مسئلہ کو ماننا چاہتے ہیں تو آپ کتاب "قرآن مبین محیط ابواب المعانی خاتم النبیین" منگوا کر ملاحظہ فرمائیے۔ جو ساڑھے تین سو صفحہ کی کتاب ہے اور جس میں ڈھائی سو احادیث اور چھ سو قرآن شریف کی آیت سے اس مسئلہ پر سیر کن بحث کی ہے۔ مخالف موافق دونو قول سامنے رکھدیئے ہیں۔ تردید کرنیوالے کو تیس ہزار روپیہ انعام بھی مقرر ہے۔ اور قیمت رفاہ عام کی خاطر صرف ۸؍ رکھی ہے۔ اس کے ہمراہ کتاب مرزا حیرت کا فوٹو مفت ملیگی ✤

ملنے کا پتہ
ڈاکٹر شفیع احمد۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ چاندنی چوک دہلی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

حیات بعد الموت

کیا مرنیکے بعد روح باقی رہتی ہے یا فنا ہو جاتی ہے

موجودہ علماء کبار کا اس بارہ میں مذہب

(ترجمہ از عربی)

بعض لوگ خیال کرتے ہیں۔ کہ اب خلود رُوح کا عقیدہ دن بدن زوال پر ہے۔ اور جمہور علماء حیات بعد الموت کے مُنکر ہیں۔ مگر نیویورک کے اخبار ٹائمز نے اس بارہ میں امریکہ کے مشاہیر علماء کی جو رائے طلب کی۔ تو تمام جوابات سوائے چند کے بقائے روح کے عقیدہ کی تائید میں تھے۔ اور یہ کہ ہماری موجودہ زندگی غیر مرئی عالم کی زندگی کے لئے بطور تمہید کے ہے[۱]۔

اس بات کے کہنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ کہ تمام اہل ادیان خلود روح کے قائل ہیں۔ اور جو علماء اس عقیدہ کے مُنکر ہیں وہ بہت تھوڑے سے ہیں۔ بہرحال ان کے جوابات کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ پروفیسر ملیکن جو امریکہ کے ہی ایک مشہور عالم نہیں بلکہ اسوقت وہ تمام دنیا کے علماء سے مشہور ترین عالم ہیں لکھتے ہیں:۔

"اس دنیا میں انسان کی مثال اندھے کی سی ہے۔ جو اس حیات کے اندھیروں میں رستہ تلاش کرتا پھرتا ہے۔ اور روح آب حقیقت سے اپنی پیاس بجھانے کے لئے بیقرار ہے۔ اور اسکی اس پیاس کو بجھانیوالا سوائے اس کی ہمیشگی کے عقیدہ کے اور کوئی چیز نہیں ہے۔ بعض کا یہ گمان ہے۔ کہ علم دین کے مناقض ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ دین بھی مسئلہ ارتقاء کے قانون سے باہر نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ جوں جوں نئی علمی تحقیقات کے ذریعہ امور منکشف ہوں۔ تو ہمیں اپنے دینی معتقدات کو بھی انکی روشنی میں درست کر لینا چاہیئے[۲]۔ نیز مسئلہ ارتقاء کی جدید

---

[۱] اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ وان الاٰخرۃ لھی الحیوان کہ اصل زندگی تو آخرت کی ہے۔ مترجم

[۲] کاش کہ مسلمان ان لوگوں تک اسلام پہنچانیکی کوشش کریں۔ جسکی تمام تھیوریوں کی سائنس مؤید ہے اور اسکی کتاب لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ کی مصداق ہے۔ اسلام ہمیں یہی سکھاتا ہے۔ کہ انسان ہمیشہ ہمیش ترقی کرتا رہیگا۔ جنتی بھی ربنا اتمم لنا نورنا کی صدا لگاتے رہینگے۔ جنت کیا ہے؟ وہ لاانتہاء ترقیات کا مقام ہے۔ دوزخی بھی آہستہ آہستہ سزا بھگت کر آخرکار جنت میں ہی چلے جائینگے۔ پس انسان ہمیشہ ہی ترقی کی طرف جائیگا۔ مترجم

Digitized by Khilafat Library Rabwah

تھیوری عام ہو چکی ہے۔ اور یہ تھیوری ترقیٔ علم کا ایک نتیجہ ہے۔ اور یہی تھیوری ہمیں بتاتی ہے۔ کہ انسان کی ترقی بھی ہمیشہ ہمیش رہیگی۔

اس میں شک نہیں۔ کہ دین انسان کے نفس میں ایسا رچا ہوا ہے۔ کہ اُسے اس سے علیحدہ کرنا ناممکن ہے۔ اور ہر ایک انسان میں ایک قوّت مفکرہ ہے۔ جو حواس ظاہری کے حدود کو توڑ کر ایک غیر مرئی عالم تک پہنچنے کا قصد کرتی ہے۔ وہ عالم جو ابھی تک ہمارے علم سے حیز خفاء میں ہے۔ اور یہ کوشش اس بات کی دلیل ہے۔ کہ نفس انسانی عالم مشہود کے آخری حدود زندگی ہونے پر قانع نہیں ہے۔

مذہبی علماء کے دو گروہ ہیں۔ جو اپنی اپنی آراء پر جمے ہوئے ہیں۔ ایک گروہ تو اللہ کے وجود کا قائل ہے۔ اور دوسرا منکر۔ میرا خیال ہے۔ کہ اپنی بات کو ثابت کرنے کیلئے دونو فریق غلط طریق پر چل رہے ہیں۔ کیونکہ ہر ایک ان میں سے بجائے اسکے کہ وہ اپنی رائے کی صحت کو منوانیکی کوشش کرے اپنا سارا زور اور تمام قوّت دوسرے کی رائے کو غیر معقول ثابت کرنے پر صرف کر رہا ہے۔ ارواح کی ہمیشگی کا عقیدہ ہمیشہ انسان کے لازم حال رہیگا جبتک کہ اسمیں قوّت امید باقی ہے۔"

۲۔ واشنگٹن کالج کے فلسفہ کے پروفیسر ڈاکٹر ریان نے لکھا۔

"کہ ہماری عقل ہمیں پختہ طور پر یقین دلاتی ہے۔ کہ نفس انسانی مادی چیز نہیں ہے۔ بلکہ غیر مادّی ہے۔ جو تجزیے اور تقسیم کو قبول نہیں کرتی۔ اور چونکہ وہ غیر مادّی ہے۔ اسلئے وہ فنا اور خراب بھی نہیں ہو سکتی۔ مگر اپنے خالق و مبدع کی قوّت اور ارادہ سے اور یہ نہیں خیال کیا جا سکتا کہ اسکا خالق اُسے فنا کرنا چاہتا ہے"

۳۔ پروفیسر گڈمین نے لکھا۔

"کہ خلود بعد فنائے جسم جسکو ہم موت کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ بقائے حیات بحالت ادراک کا نام ہے۔ اور موت کے بعد خلود کا عقیدہ ہی انسان کو اعلیٰ درجہ کے فضائل اور اعمال حسنہ کے حصول کی ترغیب دلاتا ہے۔"

۴۔ فلاسفر مونگ نے کہا۔

"کہ علم اور طبیعت اور تجربہ موت کے بعد حیات کے باقی رہنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور انسان کی فطرت میں ہمیشہ باقی رہنے کا شعور موجود ہے۔ شعور ہی نہیں بلکہ اس امر کی قوی خواہش موجود ہے کہ وہ ہمیشہ رہے۔ جیسا کہ ہمیں اہرام مصر اور یونانی روایات اور گذشتہ ہلاک شدہ اور موجودہ اقوام کی تاریخ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ اور جوں جوں انسان علم اور تمدن میں ترقی کرتا جاتا ہے ویسے ہی خلود کی خواہش اسمیں قوی ہوتی جاتی ہے۔ اور نفس انسانی اس بات کو کہ وہ کبھی فنا ہو جائیگی ماننے کیلئے تیار نہیں"

Digitized by Khilafat Library Rabwah

۵۔ پروفیسر والش نے جو امریکہ میں ایک بہت بڑے جج ہیں۔ کہا:۔

"کہ مَیں خلود کا معتقد ہوں۔ کیونکہ عدل اس کا مقتضی ہے۔ اس جہان میں ہم کتنے ہی پارسا متقی زاہد لوگ دیکھتے ہیں۔ جو نہایت تنگی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور کتنے ہی اشرار ہیں۔ جو نہایت راحت اور خوشی اور ہر قسم کی آسائش و آسودگی سے متمتع ہیں۔ ظاہری طور پر اس میں کوئی عدل نہیں ہے۔ لہٰذا ضروری ہے۔ کہ کوئی اور عالم ہو۔ جس میں عدل جاری ہو۔ اور ہر ایک کو اسکے اعمال کا بدلہ دیا جائے اور وہی عالم خلود ہے۔"

۶۔ فلاسفر شولمان نے جو نیویارک کے علماء یہود میں ایک بہت بڑے عالم ہیں۔ لکھا:۔

"کہ جو ادیان خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونیکے مدعی ہیں۔ سب خلود نفس کے قائل ہیں۔ اور یہ کہ مادی جسم فنا پذیر ہے۔ وہ مٹی سے بنا ہے۔ اور مٹی ہی ہو جاتا ہے۔ اور علمی لحاظ سے دیکھیں۔ تو مادہ بھی فنا کے غیر قابل ہے۔ پس نفس انسانی جو اسکے جسم سے نہایت قیمتی چیز ہے۔ کیونکر فنا پذیر ہو سکتی ہے۔"

۷۔ پروفیسر فوزڈیگ نے کہا:۔

"کہ اگرچہ ہم طرق علمیہ محسوسہ کے ذریعہ خلود کا ثبوت نہیں دے سکتے۔ مگر باوجود اسکے انسان کے اندر باطنی شعور ایسا پایا جاتا ہے۔ جو اسے یقین دلاتا ہے۔ کہ خلود روح کی صفت لازمہ ہے۔ جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگر خلود کا عقیدہ صحیح نہ ہوتا۔ تو یہ زمینی زندگی نہایت حقیر اور بے فائدہ اور بے قیمت چیز ہوتی۔" عل٥

۸۔ پروفیسر فلیسک نے کہا:۔

"کہ مَیں خلود نفس کو جیسا کہ ضمیر انسانی کی باطنی قوت وحی کرتی ہے۔ مانتا ہوں۔ نہ جیسا کہ مَیں ان حقائق علمیہ کو جو حواس سے معلوم کی جاتی ہیں۔ مانتا ہوں۔ لیکن میرا یہ اعتقاد ہے کہ خلود نفس کی صفت لازمہ ہے۔ جیسا کہ نشوو ارتقا زندہ مخلوقات کی لازمی صفت ہے۔ اور خلود کا عقیدہ ایسی ہی اساس صحیح پر قائم ہے۔ جس بنیاد پر تمام حقائق علمیہ قائم ہوتی ہیں۔"

۹۔ فلاسفر تشارس ٹنگ نے جو پہلے ویسٹرن ریزرو یونیورسٹی کے پرنسپل تھے۔ لکھا:۔

"کہ مَیں خلود کو اس لئے مانتا ہوں کہ اس پر ایمان لانا موجودہ زندگی کے بہت سے مشاکل کو حل کرتا ہے۔ خصوصاً نیکی اور بدی کے مشاکل کو۔ اور یہ عقیدہ اس جہان میں انسان کو بدی کے ارتکاب سے روکتا ہے۔"

عل٥ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ اسی بات کی طرف اشارہ فرماتا ہے۔ افحسبتم انما خلقناکم عبثا و انکم الینا لا ترجعون۔ مترجم۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

انکے مقابلہ میں کے ملحدین کی ایک نہایت چھوٹی سی جماعت ہے۔ جن کی رائے ان مذکورہ بالا علماء افاضل کے مخالف ہے۔ ان میں سے چوٹی کا شخص فلاسفر جون ڈیوی ہے۔ جو کولمبیا کالج میں فلسفہ کا استاذ ہے۔ اس نے اخبار نیویورک ٹائمز کے استفتاء پر لکھا:۔

"کہ اگر عقیدہ خلود کے اثبات کی کوشش کیجائے۔ تو ضروری ہے۔ کہ وہ اسی طریق پر ثابت کیا جائے۔ جس کی اسوقت بعض علماء کوشش کر رہے ہیں۔ اور وہ مُردوں کی ارواح سے باتیں کرنیکا طریق ہے۔ مگر اسوقت تک جو کوششیں اس امر کیلئے کی گئی ہیں۔ انکے نتائج میرے لئے قابل اطمینان نہیں ہیں۔"

۲۔ سنگلر نے جو امریکہ کے اہل قلم سے ہے۔ کہا:۔ "کہ اگر میری روح باقی رہنے والی ہے۔ تو میں کسی روز اسکو معلوم کر لونگا۔ اور اگر فانی ہے۔ تو مجھے اسکی معرفت کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔ اور موجودہ عالم کو میں ایسا خیال نہیں کرتا۔ کہ ہمیں وہ دائمی حیات بخشنے کیلئے مجبور ہو۔ بہرحال میں اپنی موجودہ حالت پر اور جو مجھے اسوقت معلوم ہے قانع ہوں۔ اور مستقبل انکے لئے چھوڑتا ہوں جو میرے بعد آئینگے۔"

۳۔ ڈاکٹر ڈیوی جو امریکہ کے مشہور اخبارات کے نامہ نگاروں سے ہیں۔ لکھا:۔ "کہ میں خلود کا عقیدہ رکھنے والوں کا احترام کرتا ہوں۔ لیکن میں حقیقت سے ناواقف ہوں۔ اور میں ان دلائل کو جو قائلین خلود اپنے دعویٰ کے اثبات میں پیش کرتے ہیں۔ نہیں مان سکتا۔ جیسا کہ ملحدین کے قول کو بھی تسلیم نہیں کرتا۔"

۴۔ کلارنس نے جو محکمہ قضاء سے تعلق رکھتا ہے۔ کہا:۔ "کہ باوجود ان تمام ادلہ کے جو قائلین خلود پیش کرتے ہیں۔ اور اس شعور کے جو انسان خلود کی خواہش کیلئے اپنے اندر پاتا ہے۔ حیات بعد الموت کا قائل نہیں ہوں۔ اور ابھی تک کوئی شخص خلود کے عقیدہ کی صحت پر کوئی دلیل پیش نہیں کر سکا۔ اور میں اس بات سے مقتنع ہوں کہ جیسے میری زندگی کا ابتدا تھا ویسے ہی انتہا ہے اور وہ انتہا ہو رہے گی۔"

۵۔ فلاسفر گارڈن پرنسپل کالج سٹانفورڈ نے کہا:۔ "کہ میں سوائے اسکے کوئی دلیل خلود کی صحت پر نہیں پاتا۔ کہ نفس بقاء کی راغب اور فناء سے خائف ہے۔"

یہ دونو فریقین کے اقوال کا خلاصہ ہے۔ اور اس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ قائلین خلود کی آراء منکرین خلود کی آراء سے زیادہ وزنی ہیں۔ حالانکہ طرق علمیہ سے ابھی تک خلود کا وجود ثابت نہیں ہوا۔ (السیاسۃ الاسبوعیہ مصریہ ۱۹ رمئی ۱۹۲۸ء)

جلال الدین شمس احمدی
از حیفا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مسلمان حکمرانوں کا غیر مسلم رعایا سے حسن سلوک

(از قلم جناب گوپال سروپ صاحب بھٹناکر)

یہ تو سبھی لوگ جانتے ہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم پر عمل کرنیوالے مسلمان کہلاتے ہیں اور اس سے انکار کرنیوالے کافر۔ اور جو کافر (غیر مسلم) اسلامی حکومت کو نہ مانے اسکے خلاف جنگ کرنا اور بغاوت کی سزا دینا فرض ہے [ع۱]۔ مگر جو کافر اسلامی حکومت کی پناہ میں آجائے لیکن مذہب تبدیل نہ کرے تو اسے مسلمان تکلیف نہ دینگے مگر چونکہ وہ انکی برادری میں شامل نہیں اسلئے اسکی حفاظت مسلمانوں پر واجب نہیں۔ ہاں اگر وہ اپنی حفاظت کا خواہاں ہے تو اسے مناسب ہے کہ اسلامی حکومت کو کچھ خراج دے۔

اس طرح جو قومیں مسلمان نہ ہوتی ہوئیں بھی اسلامی حکومت کے زیر سایہ رہتی تھیں وہ ذمّی کہلاتی تھیں یعنی اسلامی حکومت پر جنکی حفاظت کا ذمہ ہو اور اسکے لئے وہ جوابدہ ٹھہرے۔

حضرت عمرؓ نے شام کی فتح کے بعد حضرت ابو عبیدہ کو جو فرمان لکھا تھا اسکے الفاظ یہ ہیں:۔

فرمان عمرؓ "مسلمان ذمیوں پر ظلم نہ کرنے پائیں۔ نہ ہی ان کو نقصان پہنچائیں۔ اور نہ ہی بلا سبب انکے مال پر قبضہ کریں۔ اور جو شرطیں ان سے طے ہوئی ہیں وہ پوری کی جائیں۔"

حذیفہ بن الیمان نے مدین والوں کو یہ لکھ کر دیا کہ:۔

"ان کا مذہب نہ بدلا جائیگا اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی دست اندازی کیجائیگی۔"

جرجان کی فتح پر یہ معاہدہ کیا گیا کہ:۔

"یہاں کے باشندوں کی جان مال مذہب اور لٹریچر کی حفاظت کی جائیگی۔"

آذربائیجان والوں سے جو عہد نامہ ہوا۔ اس میں بھی یہی تحریر کیا گیا۔ حضرت محمدؐ کے زمانہ میں جب یروشلم فتح ہوا۔ تو وہاں کے باشندوں سے ان شرطوں پر صلح ہوئی کہ:۔

"ان کی جان۔ مال۔ معبد۔ صلیب وغیرہ کی حفاظت کی جائیگی۔ ان کے گرجے مسمار نہیں کئے جائینگے ان کی صلیبوں میں اور مال میں کسی قسم کی کمی نہ کیجائیگی۔ مذہبی ارکان کے متعلق ایسے

ع۱۔ مگر اس سلوک کا وہی غیر مسلم مستحق ہو سکتا ہے جو مسلمانوں کی مذہبی آزادی میں مخل ہو یا انکے دشمنوں سے سازباز رکھے اور کسی نہ کسی رنگ میں مدد کرے۔ نہ کہ ہر ایک غیر مسلم خواہ وہ کسی ملک اور قوم سے تعلق رکھتا ہو۔ مترجم

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کسی قسم کی بے انصافی نہ ہوگی۔ اور یہ شرائط انکے تمام ہم مذہبوں کیلئے ہیں خواہ وہ بیمار ہیں یا تندرست۔"

مندرجہ ذیل واقعہ سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت ذمیوں کی حفاظت کیلئے اپنے آپکو کسقدر ذمہ دار گردانتی تھی۔

جب خلیفہ عمرؓ کے عہد میں جنگ یرموک چھڑی تو اسوقت حمص کے باشندے ذمی ہو چکے تھے۔ اور جب مسلمان فوجیں لڑائی کے لئے حرکت کرنے لگیں تو اسوقت وہ تمام زر جو حمص والوں سے جزیہ کے طور پر لیا ہوا تھا واپس کر دیا کیونکہ اسوقت یہ ممکن تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہو جاتی جسکی وجہ سے حمص کے ذمیوں کی حفاظت نہ ہو سکتی۔ اور وہ ستلائے جاتے۔

مگر مسلمانوں کا یہ نمونہ دیکھ کر حمص کے یہودیوں نے توریت اور عیسائیوں نے انجیل ہاتھوں میں لیکر کہا کہ:۔

"ہمیں مسلمانوں سے زیادہ با انصاف اور رعایا سے محبت کرنیوالے حاکم اور نہ ملینگے۔"

یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں کی ذمی رعایا اپنی ہی ہم عقیدہ رومی سلطنت کے خلاف مسلمانوں کی امداد کرتی تھی انہیں رسد پہنچاتی اور رومیوں کے خفیہ حالات بتاتی تھی۔

یہی نہیں حضرت رسول اللہؐ کے زمانہ میں زید بن حارث ذمیوں کو توریت پڑھانے پر مقرر کیے گئے تھے۔

ایک دفعہ حمص کے حاکم امیر بن سعد کسی ذمی کو "اخزاك الله" (خدا تجھے رسوا کرے) کہہ بیٹھے۔ جسپر انہیں اتنا دکھ ہوا کہ وہ اسی وقت حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ آپ اپنی نوکری واپس لیں۔ اسی نوکری کی بدولت تو میری زبان سے ایسا فقرہ نکل گیا۔

ایک دفعہ کسی مسلمان نے ایک عیسائی کو مار ڈالا جسپر قاتل کو مقتول کے وارثوں کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اس کو جو چاہیں سزا دیں۔

متذکرہ بالا واقعات سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا اپنی رعایا سے کیسا سلوک تھا۔ اور ذمیوں کو کسطرح ہر قسم کے شہری حقوق حاصل تھے۔ اور جن قوانین کا ذمیوں سے تعلق تھا انکو نافذ کرنے سے پہلے خود ذمیوں سے بھی مشورہ لیا جاتا تھا۔ ہاں پوشاک انکو اپنی ہی پہننی پڑتی تھی۔ مگر اسکی وجہ یہ نہیں کہ انکی پوشاک ذلیل سمجھی جاتی تھی بلکہ اس سے مراد صرف اتنی تھی کہ حکمران اور محکوم قوم ایک دوسرے سے متمیز رہیں۔

بعد میں تو خلیفہ عبد الملک نے ذمیوں ہی کی پوشاک کو درباری لباس قرار دے دیا۔

اب جزیہ کے متعلق سنئے کیونکہ یہ لفظ ذمی سے خاص تعلق رکھتا ہے۔ قرآن شریف میں تو اسکا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کہیں ذکر نہیں آیا[عـــہ۱]۔ ہاں حدیثوں میں یہ نظر آتا ہے یہ لفظ عربی نہیں بلکہ یہ فارسیوں سے لیا گیا ہے۔ چونکہ عربی زبان میں حرف گ نہیں اسلئے گزیہ کو جزیہ بنانا پڑا۔ یہ فوجی لگان تھا اور ان لوگوں سے لیا جاتا تھا جو جنگی خدمات سے بچنا چاہتے تھے۔ ایران کے مشہور بادشاہ نوشیرواں کے وقت بھی یہ رعایا سے لیا جاتا تھا۔

اسلامی سلطنت کے بانیوں نے بھی اسے مفید سمجھ کر اپنی غیر مُسلم رعایا پر لگایا۔ چونکہ مسلمان بوقت ضرورت ملک کے لئے اپنی جانیں نثار کرتے تھے اور غیر مُسلم رعایا اسکے لئے مجبور نہیں کی جاسکتی تھی۔ اور نہ ہی اسپر اتنا اعتبار کیا جا سکتا تھا[عـــہ۲] (جیسا کہ سرکار برطانیہ کی بھی یہی پالیسی ہے) امیر سے امیر آدمی سے بھی یہ ۲۰ روپے (سالانہ) سے زیادہ نہیں لیا جاتا تھا عورتیں۔ بچے۔ اپاہج اور بیس برس سے کم عمر اور پچاس برس سے زیادہ عمر کے لوگ اس سے مستثنیٰ تھے۔ اس محصول کے بالمقابل مسلمانوں سے زکوٰۃ لیجاتی تھی۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں ایک دن کوئی شخص بھیک مانگ رہا تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ بھیک مانگنے کی کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں جزیہ دینے سے معذور ہوں۔ اس پر حضرت عمرؓ اسے اپنے گھر لے گئے اسے اپنے پاس سے مال دیا اور یہ قاعدہ بنادیا کہ آئندہ غریب ذمیوں کو بھی بیت المال سے مالی مدد دی جایا کرے۔ جو اسوقت صرف مسلمانوں کو ملا کرتی تھی۔

مذہب اور قومیت کا کچھ بھی فرق روا نہ رکھنے کی ڈینگ مارنے والے موجودہ حکمران قوموں کی نسبت تو قدیم مسلمانوں کی حکومت کہیں اچھی تھی۔

حضرت محمد (صلعم) کے غرفہ نامی ایک صحابی کے لفظوں میں مسلمانوں کی ماتحت رعایا کے حقوق یہ تھے کہ انکو یہ حکم کبھی نہیں دیا گیا کہ رسول اللہ صلعم کو کھلم کھلا گالیاں دیں۔ ان سے یہی شرط ہوتی ہے کہ اپنے گرجوں میں جو چاہیں کریں اور اگر ان پر کوئی دشمن حملہ آور ہو تو ہم (مسلمان) انکی طرف سے لڑیں اور انپر ایسا کوئی بوجھ نہ ڈالیں جسے وہ برداشت نہ کر سکیں ﴿ (رسالہ تیاگ بھوومی اجمیر ؎)

مترجم فضل حسین احمدی مہاجر قادیان

عـــہ۱ قرآن میں جزیہ کا ذکر آیا ہے جیسا کہ سورہ توبہ کی مندرجہ ذیل آیت سے عیاں ہے مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۔ (احمدی مہاجر)

عـــہ۲ یہ وجہ غلط ہے کیونکہ اسوقت کئی غیر مُسلم قبائل فوجی خدمات بجالاتے تھے جنکی وجہ وہ جزیہ سے بری تھے۔ اسکے لئے دیکھئے پروفیسر آرنلڈ صاحب کی کتاب پریچنگ آف اسلام۔ (احمدی مہاجر)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مناسب ہے۔ جو دیگر نباتاتی اور حیوانی مادہ کے لئے نیچر نے مقرر کر رکھا ہے یعنی دفن کرنا۔

۳۔ صحت عامہ۔ کہا جاتا ہے کہ جلانا صحت عامہ کو مدِّنظر رکھتے ہوئے دفن کرنے سے افضل ہے۔ کیونکہ قبروں میں سے بارش کا پانی رِس رِس کر تالابوں اور کوؤں میں جاتا ہے۔ جس سے صحت انسانی پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ نیز یہ کہ بعض متعفن گیس قبروں سے باہر نکل کر صحت پر بُرا اثر ڈالتی ہیں۔

ان کے متعلق عرض ہے کہ اوّل الذکر کا علاج تو آسان ہے۔ کہ قبرستان بلند جگہ پر بنایا جائے اور شہر سے کافی دُور ہو۔ پانی کے منبع کے قریب نہ ہو۔ قبر کافی گہری ہو اور ایسی زمین میں ہو جس میں لاش جلدی مٹی میں مل سکے۔ پس ان ہدایات پر اگر عمل کیا جائے۔ تو صحت عامہ کو نقصان کا کچھ خطرہ نہیں باقی رہا متعفن گیسوں کا نکلنا۔ تو یہ امر ثابت شدہ نہیں ہے۔ ہاں اگر قبر گہری کم ہو۔ تو ممکن ہے۔ بُو آئے مگر مشاہدہ ہمیں بتاتا ہے کہ قبرستانوں سے کبھی بُو نہیں آتی۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ ان ہدایات پر پورا پورا عمل کیا جائے اور اس میں درخت لگا دیئے جائیں۔ جو پانی کو بھی چوس لیں۔ اور گیسوں کو بھی جذب کر کے قبرستان کو صحت افزا مقام میں بدل دیں۔

اسکے برخلاف مُردوں کو جلانے سے اسقدر تعفن ہوتا ہے۔ اور بُودار گیسیں فضا میں پھیلتی ہیں کہ گھاٹ سے دو دو سو گز تک آدمی قریب نہیں کھڑا ہو سکتا۔ انسانی گوشت کو جلانے سے جو گیسیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کی بُو خاص طور پر ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ پس صحت عامہ کے لحاظ سے مُردوں کو دفن کرنا (بشرطیکہ ان ہدایات پر عمل کیا جائے جو مضمون کے آخر میں درج ہونگی) جلانے کے مقابل میں بدرجہا افضل ہے۔

اسکے علاوہ ایک اور نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے اور وہ یہ کہ اگر صحت عامہ اور تدفین کے بعض موہوم خطرات کو مدِّنظر رکھ کر کہا جائے کہ مُردوں کو جلانا چاہیئے۔ تو پھر اس عمل کو زیادہ وسیع کرنا چاہیئے۔ کیونکہ جسم انسانی بھی آرگینیک مادہ ہے۔ جیسا کہ حیوانوں۔ پرندوں اور پودوں کے جسم۔ تو پھر چاہیئے کہ صحت عامہ کو مدِّنظر رکھتے ہوئے شہر کا تمام کوڑا کرکٹ۔ درختوں کے گرے ہوئے پتّے۔ مردہ حیوان پرند۔ چرند سب کو اکٹھا کر کے روزانہ جلایا جائے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ شہر کا کوڑا کرکٹ اور درختوں کے پتّے (فولی ایج) بھی ہزاروں من روزانہ جمع ہو جاتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے یہ نباتاتی بے جان مادہ ایک دن میں اتنا جمع ہو جاتا ہے۔ جتنے مُردے اسی شہر سے شاید ۱۰ سال میں جا کر نکلیں۔ پس جب جسم انسانی سے لاکھوں گنا زیادہ قابلِ تعفن نباتاتی اور حیوانی مادہ نیچر کے حوالہ کر دیا جاتا ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ انسانی جسم کو قدرتی طریق سے دفن نہ کیا جائے۔ پس صحت عامہ کو مدِّنظر رکھتے ہوئے چاہیئے کہ یا تو شہر کا تمام قابلِ تعفن مادہ۔ کوڑا کرکٹ پتے۔ گوبر۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مسئلہ طلاق میں اسلام کی فتح

"سال کے اختتام پر دو ہزار چار سو سے زیادہ طلاقیں صرف لنڈن کی عدالت میں دائر ہو چکینگی۔ اور ان مقدمات کو شامل کر کے جو خاص ججوں کے سامنے پیش ہونگے۔ انکی تعداد تین ہزار پانچسو ہو جائیگی۔ اسکے معنی یہ ہیں۔ کہ کل دس ہزار پانچسو انچاس ان مقدمات کے متعلق ہونگے۔ جبتک طلاق حاصل کرنیکے لئے مردوں اور عورتوں کو مساوی حقوق نہیں دیئے گئے تھے۔ اسوقت طلاق چاہنے والوں کی تعداد بحیثیت مرد و عورت برابر تھی۔ لیکن اب عورتوں کی طرف سے طلاق کی درخواستوں میں زیادتی ہوتی جاتی ہے۔ طلاق کے مقدمات میں چالیس فیصدی زوجین لاولد ہیں۔ اور بتّیس فیصدی کے یہاں صرف ایک اولاد ہے۔"

چار کروڑ باشندوں میں، ساڑھے تین ہزار طلاقیں کچھ زیادہ نہیں معلوم ہوتیں۔ لیکن جیسا کہ ڈیلی اکسپریس اپنے مقالہ افتتاحیہ میں لکھتا ہے۔ یہ اعداد و شمار اس معاملہ میں جسے اب معمولی سمجھا جاتا ہے۔ روز افزوں ترقی ظاہر کر رہے ہیں۔ انگلستان کے مشہور قانون دان صاحب طلاقوں کی کثرت کے اسباب پر غور کر رہے ہیں۔ اور عموماً اسکا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اخباروں میں ان واقعات کا مفصل بیان نہیں شائع ہوتا۔ لارڈ ہیورٹ چیف جج انگلینڈ کی بھی یہی رائے ہے۔ خیر اگرچہ اس امر پر کوئی رائے زنی کرنا۔ کہ آیندہ نسلوں کا طرز عمل کیا ہوگا کسی ٹرکی منچلے ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ لیکن اسقدر تو ہم بھی وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اگر مسئلہ طلاق پر صحیح معنوں میں غور و خوض نہ کیا گیا تو کچھ عرصہ کے بعد نہ صرف انگلستانی بلکہ یورپی معاشرت کی بنیادیں متزلزل ہو جائینگی۔ ہم یہ سوال کرتے ہیں آیا ان واقعات پر محض اسوجہ سے خاموشی اختیار کرنا۔ کہ زمانہ خود اصلاح کر دیگا قرین مصلحت ہو سکتا ہے؟ شادی کا مقصد یہ ہے۔ کہ جو ذمہ داری ہمارے اوپر عاید ہوتی ہے۔ اسکا احترام کریں۔ تاکہ آئے دن کے مناقشات ہماری خانگی زندگی کو مکدّر اور ملوّث نہ کر سکیں۔ لیکن اگر زوجین میں باہم موافقت ممکن نہیں تو پھر سوائے طلاق کے اور چارہ کار کیا ہو سکتا ہے؟ اسکا یہ مطلب نہیں۔ کہ ہم بات بات پر طلاق کے حامی ہیں۔ لیکن ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ صرف بدکاری ہی کی صورت میں طلاق کا جواز ناقابل عمل اصول ہے اور ضرر دہ ہے۔ اور اس رائے میں ہم منفرد نہیں ہیں۔ لارڈ چیف جج نے ایک آرٹیکل موسومہ "انگلستان کا قانون طلاق" میں لکھا ہے۔ کہ علاوہ زناکاری کے طلاق کے جواز کی اور صورتیں بھی ہونا لازمی ہیں۔ مثلاً "ظلم و ستم"، "مفارقت و ہجران"، امراض دماغی مالیخولیا وغیرہ اور حبس دوام۔" (منقول از اخبار ایوننگ سینٹرڈ مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۲۶ء)

کثرت ازدواج

(۱) مسٹر ہنیکس کا اعتراف:- "حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اناجیل اربعہ کے کسی باب یا کسی آیت میں تعدد ازدواج کی ممانعت نہیں کی۔"

(۲) مسٹر لائل کا اعتراف جسکا خلاصہ یہ ہے۔ "اسلام کے میل الی الشہوات اور غلبۂ شہوت نفسانی کے متعلق بہت کچھ تقریریں اور بحثیں مختلف لوگوں نے پیش کی ہیں اور اس طرح انہوں نے اپنے اعتراضات کو اس حد تک پھیلایا اور بڑھایا ہے کہ ہمارے مذہب نے کثرت ازدواج کو (جو کہ بالخصوص محمد صاحب کی ایجاد نہ تھی) بالکل باطل قرار دیدیا حالانکہ انہوں نے (محمد صاحب نے) انبیائے سابقین کے عہد سے اسکو مرّوج اور غیر معیوب

(رسالہ الاسلام [illegible] صفحہ ۴۰۳)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بول و براز حیوانوں کی لاشیں سب کو روزانہ جلایا جائے۔ یا پھر جس طرح یہ ہزاروں من کوڑا کرکٹ قدرتی طریق سے زمین میں رل جاتا ہے۔ اسی طرح انسانی جسم کو بھی ملا دیا جائے۔ پس معلوم ہوا کہ صرف مُردہ انسانوں کو جلانا صحت عامہ کے قیام کیلئے کافی نہیں۔ کیونکہ اس سے ہزاروں گنا زیادہ قابلِ تعفن مادہ ویسا ہی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ پس سب کو جلانا چاہیئے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ شہر کے تمام کوڑا کرکٹ۔ اور حیوانی اور انسانی لاشوں کو جلانا بہت بڑے خرچ کا باعث ہوگا۔ نیز تمام فضا تعفن سے بھر جائیگی۔ پس معلوم ہوا کہ یہ طریق قابلِ عمل نہیں۔ اور اگر خرچ کر کے سب کو جلانا شروع کر بھی دیا جائے۔ تو اس سے ایک اور نقصان بھی ہوگا۔ یعنی تمام نائٹروجن ضائع ہو جائیگی۔ اور انسان اور حیوان سب کو خوراک ملنی بند ہو جائیگی۔ اس سے مُردوں کو دفن کرنا ہی بہرحال قدرتی طریق ہے اور صحت عامہ کے لئے بھی خالی از خطرہ ہے۔ اور وسیع پیمانہ پر قابلِ عمل ہے۔ جیسا کہ نیچر بھی دیگر لاکھوں من بے جان مادہ سے روزانہ سلوک کر رہی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

۴۔ اقتصادی نقطۂ نگاہ سے بھی تدفین تحریق سے افضل ہے۔ کیونکہ قبر کے لئے جگہ حاصل کرنے کے لئے زیادہ خرچ نہیں کرنا پڑتا۔ چنانچہ مفصلات میں مُفت زمین مہیا ہو جاتی ہے۔ ہاں شہروں میں معمولی خرچ کرنا پڑتا ہے اور وہ بھی ایک روپیہ یا دو روپیہ سے زیادہ نہیں۔ لیکن جلانے کے لئے لکڑی کا حصول زیادہ خرچ کو چاہتا ہے۔ خصوصاً اگر ان احکام کو مدِ نظر رکھا جائے۔ جو اس فرقہ کے لوگوں کی کتب میں درج ہیں۔ جو جلانے کے بڑے حامی ہیں۔ تو خرچ بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ اس لحاظ سے جلانے کا عمل ایسا نہیں ہے کہ ہر شخص اسپر آسانی سے عمل کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دفعہ غریب لوگ جو لکڑی کے لئے زیادہ خرچ نہیں کر سکتے۔ لاشوں کو نصف جلا ہوا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اور بعد میں وہ کتوں وغیرہ کی خوراک بنتی ہیں۔

۵۔ انسانی جذبات اور احساسات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بھی مُردوں کو جلانے کا عمل انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ وہ شخص جو اپنے بزرگ کو بوجہ اسکی محبت اور ادب کے معمولی تکلیف بھی اپنے ہاتھ سے دینا نہیں چاہتا۔ وہ کس طرح گوارا کر سکتا ہے۔ کہ اپنے ہاتھ سے اسکے جسم کو آگ لگائے۔ اسکی ہڈیوں کو توڑے۔ اور اسکی کھوپری کو جلتی ہوئی لکڑی کی ضرب سے پاش پاش کر کے اسکا مغز باہر نکال دے۔ یقیناً ایسا عمل انسانی جذبات اور احساسات کو ٹھیس لگانے والا ہے۔ اور اس پر وہی عمل کر سکتا ہے جسکے جذبات کُند ہو گئے ہوں۔ اور اس کی اندرونی باریک حسیں مُردہ ہو چکی ہوں۔

۶۔ اسکے علاوہ جلانے میں ایک اور نقص یہ بھی ہے کہ اس طرح مجرموں کو اپنے جرائم کو چھپانے کا موقع

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مل جاتا ہے۔ کیونکہ کسی ایسے شخص کو جس کی موت مشتبہ ہو اگر جلا دیا جائے تو بعد میں لاش کا معائنہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور دفن کرنے سے جو پولیس کو ڈاکٹری معائنہ سے بہت قیمتی مدد موت کا سبب معلوم کرنے میں مل سکتی تھی۔ وہ اس صورت میں بالکل ناممکن ہو جاتی ہے۔

۷۔ پھر اگر قدیم سے دنیا میں مُردوں کو جلانے کا عمل رائج ہوتا۔ تو بتاؤ۔ آج جو اس قدر مفید معلومات ماہرین آثار قدیمہ (آرکی آلوجی) زمین کے طبقات کے مطالعہ سے مہیا کر رہے ہیں۔ وہ ہم کو کس طرح حاصل ہوتے۔ پھر مسئلہ ارتقاء حیوانی (اے وولیوشن) جس نے تمام علوم میں ایک عجیب تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ اور ان کو عروج کی ایک نئی سیڑھی پر چڑھا دیا ہے۔ اس کے بنیادی اور ابتدائی آثار (جن پر اس کا مدار ہے) کس طرح معلوم ہوتے۔ پس قدیم نسلوں کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔ کہ انہوں نے حیوانوں اور انسانوں کی لاشوں کو زمین میں دفن کر کے ہمارے لئے مفید معلومات اور نئے انکشافات کا دروازہ کھول دیا۔

پس معلوم ہوا کہ مُردوں کو دفن کرنے کا عمل بہت سی حکمتوں پر مبنی ہے۔ اور یہی قدرتی اور طبعی طریق ہے۔ نیز یہ عمل کم خرچ ہے اور جذباتِ انسانی کا بھی اس میں احترام کیا جاتا ہے۔

اسکے برخلاف مُردوں کو جلانے کی رسم نہ صرف خلاف فطرت اور غیر طبعی ہے۔ بلکہ بہت بڑے خرچ کو چاہتی ہے۔ اس لئے وہ وسیع پیمانہ پر قابل عمل نہیں۔ نیز اس طریق میں انسانی جذبات کو پامال کرنا پڑتا ہے۔

یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ دفن کرنا ہی قدرتی طریق ہے۔ اب ہم ذیل میں بعض ہدایات لکھ دیتے ہیں۔ جن پر عمل کرنے سے دفن کرنے کے متعلق جو بعض شکایات ہیں۔ وہ رفع ہو سکتی ہیں۔

(۱) دفن کرنے کے لئے بہترین زمین وہ ہے جو ریتلی ہو۔ اور اس میں مسام کافی ہوں۔ اور اسکے نیچے کا پانی قدرتی یا کسی اور طریق سے ۸ فٹ سے نیچے رکھا جا سکے۔ یعنی سطح زمین کے نیچے جو پانی ہوتا ہے۔ اسکا لیول ۸ فٹ سے اونچا نہ ہو۔ اسکا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ایسی زمین میں ایک تو میت جلدی مٹی میں مل جاتی ہے۔ دوسرے بدبودار گیس وغیرہ باہر نہیں نکل سکتی۔ اور پینے کا پانی بھی خراب نہیں ہوتا۔

(۲) قبرستان بلند مقام پر نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ بارش وغیرہ کا پانی جب زمین میں جذب ہوگا۔ تو لاشوں کے متعفن مادے سے مل کر پھر وہ نیچے کو بہنا شروع کریگا۔ جس سے کوئیں وغیرہ جو نچلے لیول پر ہونگے انکا پانی خراب ہو جائیگا۔

(۳) قبرستان کے اندر مختلف احاطے بنا کر ہر ایک قبر کی جگہ معین ہونی چاہیئے۔ اور درمیان میں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

راستہ چھوڑنا چاہیئے۔ نیز انہیں درخت لگانے چاہئیں۔ تاکہ انکی جڑھیں پانی کو جذب کر کے قبروں کو اندر سے خشک رکھیں۔ اور اگر کوئی گیس وغیرہ نکلے تو اسکو بھی جذب کر لیں۔ اور اس طرح قبرستان کو صحت عامہ کے لئے مفید بنا سکیں۔

(۴) قبرستان شہر سے کافی دور ہونا چاہیئے۔ تاکہ صحت عامہ اور پینے کا پانی خراب ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔ ایک کچّی قبر کے لئے اگر ۶ فٹ لمبی اور ۲½ فٹ چوڑی جگہ دی جائے۔ اور ۴ فٹ کا فاصلہ ہر قبر کے درمیان ہو۔ تو اس طرح ایک بیگھہ زمین میں ۲۴۰ قبریں بن سکتی ہیں۔ اور اگر کسی وقت ضرورت زیادہ ہو۔ اور درمیانی جگہ کو قبروں کے لئے استعمال کرنا پڑے تو بھی ۴۸۰ قبریں اتنی زمین میں بن سکتی ہیں۔ البتہ پکّی قبروں کے لئے زیادہ جگہ کی ضرورت ہوگی۔

(۵) قبر زیادہ گہری نہیں کھودنی چاہیئے۔ ۳ سے ۵ فٹ گہری قبر کافی ہوتی ہے۔ کیونکہ زیادہ گہری قبر سے دو نقصان ہیں۔ ایک تو یہ کہ زمین کے نیچے جو پانی ہوتا ہے۔ وہ لاش کے قریب آجاتا ہے جس سے لاش میں تعفّن زیادہ ہوتا ہے۔ اور دیر سے مٹی میں ملتی ہے۔ دوسرے یہ کہ جراثیم جو لاش کو کھاتے ہیں وہ زیادہ گہری جگہ نہیں ہوتے۔ بلکہ زمین سے ۳۔۴ فٹ گہری جگہ پر انکی بہت زیادہ تعداد ہوتی ہے۔ اور جوں جوں گہرے کھودتے جائیں۔ جراثیم کم ہوتے جاتے ہیں۔ پس لاش کو جلدی مٹی میں ملانے کے لئے ضروری ہے کہ اسکو زیادہ گہرا دفن نہ کیا جائے۔

(۶) ایسا ہی قبر کم گہری بھی نہیں ہونی چاہیئے۔ مثلاً یہ کہ ایک دو فٹ گہرا گڑھا نکال کر میّت کو دفن کر دینا اس طرح کتّے اور گیدڑ وغیرہ لاش کو نکال کر اسکی بے حرمتی کرتے ہیں۔ اگر ہو سکے تو قبرستان کے گرد باڑ لگا دی جائے تاکہ کوئی جانور قبر کو کھود نہ سکے۔

(۷) لاش کو گھر کے صحن میں ہرگز دفن نہیں کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ بعض دیہات میں رواج ہے۔ عموماً لاش کا گوشت پوست اور دیگر نرم اعضاء ایک سال کے اندر اندر مکمّل طور پر خاک میں مل جاتے ہیں۔ ہڈی البتہ دیر سے جا کر مٹی ہوتی ہے۔

پس اگر ان ہدایات پر عمل کیا جائے۔ تو بفضلِ خدا قبرستان کے متعلق کوئی شکایت باقی نہیں رہ سکتی۔ اور صحتِ عامہ پر بھی اس کا بُرا اثر نہ ہوگا۔ (جیسا کہ بے احتیاطی سے دفن کرنے میں ممکن ہے) پس مُردوں کو دفن کرنا مع اسکے دیگر فوائد کے قدرتی طریق ہے۔ جس پر تمام مہذّب اقوام کو عمل کرنا چاہیئے۔

ایڈیٹر:۔ مکرّم ڈاکٹر صاحب نے نہایت قیمتی اور معلومات سے پُر مضمون عطا فرمایا ہے جس کے لئے ان کا بہت شکریہ ہے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اسلام کی حقیقت

بجواب

کن فیکون کی حقیقت

دہلی سے ایک آریہ سماجی جس نے یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ پہلے مسلمان تھا ایک رسالہ بنام "کن فیکون کی حقیقت اور روح مادہ کی قدامت کا ثبوت قرآن سے" شائع کیا ہے اور اپنی کم علمی و ناواقفیت کی وجہ سے قرآن کریم کی بعض آیات پر بیجا اعتراض کئے ہیں اور بعض سے قدامت روح مادہ ثابت کرنے کی کوشش ناکام کی ہے ذیل میں اس رسالہ کا جواب اعتراض کو **قولہ** اور جواب کو **اقول** میں بیان کرکے دیا جاتا ہے۔ ناظرین خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مہاشہ صاحب کے اعتراضات کہاں تک صحیح اور درست ہیں۔

قولہ۔ دنیا میں جسقدر انسان ہیں ان میں کا وہ حصہ جو کہ حضرت محمد صاحب کو خدا کا پیغمبر اور قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کرتا ہے یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ موجودہ عالم جو کہ نظر آرہا ہے خدا کے صرف ایک کلمہ "کن" کہنے کے ساتھ ہی فوراً فیکون ظہور میں آگیا تھا اور لفظ کن کے کہنے سے پیشتر یہ کل عالم حالت نیستی میں تھا۔...... جو کچھ معلومات بذریعہ قرآن حاصل ہو سکتے ہیں اُن سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکل سکتا کہ موجودہ عالم اپنے ظہور سے پیشتر کچھ بھی نہ تھا۔

اقول:۔ مہاشہ صاحب دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ میں قرآن کریم سے صرف قدامت روح مادہ ہی ثابت نہیں کرتا بلکہ آئندہ اسلام کی شریعت وغیرہ کے متعلق بھی وہ وجوہات بیان کرونگا جنکی وجہ سے میں نے اسلام چھوڑا۔ مگر مذہب اسلام سے واقفیت کا یہ عالم ہے کہ کلمہ کن سے تمام موجودہ عالم فوراً ظہور میں آجانیکا اعتقاد مسلمانوں کی طرف منسوب کر رہے ہیں حالانکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ صاف طور پر بیان فرماتا ہے:۔ ان اللہ الذی خلق السّمٰوات والارض وما بینھما فی ستة ایام (سجدہ ع) انّ ربکم اللہ الذی خلق السّمٰوات والارض فی ستة ایّام (یونس ع) انّ ربکم اللہ الذی خلق السّمٰوات والارض فی ستة ایّام ثم استوٰی علی العرش (اعراف ع) ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے نزدیک خدا تعالیٰ نے موجودہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

عالم کو چھ وقتوں کی تدریجی ترقی دیکر پیدا فرمایا ہے ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کے خدا نے بوجہ قادر مطلق ہونیکے یہ سب کچھ نیست سے ہست کیا ہے اور یہی قرآن کریم سے ثابت ہے جیسا کہ آگے چلکر انشاء اللہ معلوم ہو جائیگا۔

قولہ:۔ حضرت انسان اور اس کے جسم کی پیدائش کی نسبت از روئے قرآن جو کچھ ہم کو معلوم ہو سکا ہے وہ یہ ہے کہ کل قرآن میں صرف ایک مقام پر اسقدر اشارہ کیا گیا ہے کہ ھل اتیٰ علے الانسان حین من الدھر لم یکن شیئاً مذکورا۔

اقول:۔ تعجب ہے کہ معترض نے ظاہر تو یہ کیا ہے کہ وہ پہلے مسلمان تھا مگر دعویٰ یہ کرتا ہے کہ قرآن کریم میں سوائے اس اشارہ کے اور کہیں انسانی پیدائش کا ذکر ہی نہیں۔

مہاشہ صاحب! اگر آپ قرآن کریم کو پڑھتے ہوتے تو آپ کو یہ دن دیکھنے نہ پڑتے اور نہ ہی یہ بے ثبوت دعویٰ کرتے۔ سنئے! قرآن کریم فرماتا ہے:۔ اولا یذکر الانسان انا خلقناہ من قبل ولم یک شیئاً (مریم ع۴) کہ کیا انسان یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اسکو پہلے پیدا کیا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا یعنی بالکل نیست سے ہست کیا پھر فرماتا ہے:۔ وقد خلقتک من قبل ولم تک شیئاً (مریم ع۱) کہ اے انسان میں نے تجھے نیست سے ہست کیا ہے۔

معترض نے مذکورہ بالا آیات کو جو اس کے مطلب کے صریح خلاف ہیں عمداً یا سہواً چھوڑتے ہوئے صرف آیت کریمہ ھل اتیٰ علے الانسان الخ پر ہی بحث کی ہے اور اس سے اپنا مدعا ثابت کرنا چاہا ہے جو کسی صورت میں بھی صحیح نہیں ہو سکتا ہے۔

قولہ۔ آیت زیر بحث سے یہی عیاں ہے کہ اگرچہ انسان پر ضرور ایک وقت ایسا ہوا کرتا ہے جبکہ فی الحقیقت وہ کچھ بھی نہیں ہوا کرتا لیکن اسکے جسم کی بناوٹ ایک بوند یعنی نطفہ سے ہوا کرتی ہے۔ نیز ہم ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے جسقدر انسان ہیں سب یہی جانتے ہیں کہ ہر ایک انسان کا وجود اپنی پیدائش سے پیشتر محض عدم کے برابر ہی ہوا کرتا ہے..... سب یہی مانتے ہیں کہ ہر ایک انسان کا جسم اسی موجودہ دنیا کے مادہ سے جو اسکی ماں کے... ذریعہ رحم میں جاتا ہے بنتا ہے اور ویریہ یعنی نطفہ پتا کے ذریعہ داخل ہوا کرتا ہے۔

اقول۔ مہاشہ صاحب کا مدعا یہ ہے کہ آیت کریمہ:۔ ھل اتیٰ علے الانسان حین من الدھر الخ اور دوسری آیت:۔ انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج کا مضمون ایک ہی ہے چنانچہ وہ بغیر کوئی دلیل پیش کرنے کے تحریر کرتے ہیں کہ "ہر دو آیات پر بلا کسی قسم کی تاویل کے غور سے دیکھا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

چند ضروری و مفید رسالے

تشحیذ الاذہان کے مکمل فائل ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۰ء تک — بیس روپے

معارف القرآن ۔ ۱۱ پارہ کے نوٹ از درس حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ — ۸ر

براہین العقائد ۔ اصول اسلام کے دلائل از قرآن مجید ۔ — ۸ر

الاستخلاف ۔ ردّ شیعہ از آیات قرآنی — ۴ر

کمالات احمدیہ (بجواب شہادات مرزا ثناء اللہ امرتسری) — ۶ر

مقصد مذاہب — ۳ر — التشریح الصحیح — ۶ر

مباحثہ سرگودہ — ۶ر

ملنے کا پتہ : تشحیذ قادیان

انگریزی ریویو آف ریلیجنز

لنڈن سے ہر مہینے شائع ہوتا ہے اسکی قیمت سات روپے سالانہ ہے ہندوستان کے خریداروں کا حساب کتاب قادیان دفتر طبع و اشاعت میں ہے ۔ انگریزی خوان احباب جماعت احمدیہ بہت کم توجہ کر رہے ہیں پچھلے سالوں کے بقایا کا ذکر تو درکنار ۱۹۲۶ء کا چندہ کئی صاحبان نے ادا نہیں کیا کم از کم ایک ہزار خریدار اسکے اپنی جماعت سے ہندوستان میں ہونے چاہئیں ۔ مگر حال یہ ہے کہ چند سو بھی نہیں اسکی متعلق فوری اور متفقہ کوشش کی ضرورت ہے ؛ ÷

سن رائز

یہ اخبار مہینے میں دو بار نوجوانان اسلام کو اپنے مذہبی عقائد میں راسخ اور غیر مذاہب کے حملوں کے دفاع پر تیار رکھنے کیلئے جاری کیا گیا ہے ۔ اسکا چندہ برائے نام ہے یعنی دو روپے سالانہ طالبعلموں کیلئے صرف ایک روپیہ ۔ ہر صوبہ کی احمدی جماعتوں کا فرض ہے کہ اپنے ارد گرد کے سکولوں اور انگریزی خوانوں میں اسکی توسیع اشاعت کریں ۔ آجکل اسکی طرف توجہ کم ہو گئی ہے اور یہ خریدار کم ہو رہے ہیں ۔ اس اخبار پر بہت سا روپیہ صرف ہوتا ہے جو پورا نہیں ہو سکتا ۔ جبتک کم از کم پانچہزار خریدار نہ ہوں جلد جلد توجہ درکار ہے

نقشہ اُجرت اشتہارات

ریویو آف ریلیجنز اُردو کئی لاکھ کی احمدی جماعت کا واحد ماہوار رسالہ ہے اور اسکو نہایت ذوق و شوق سے پڑھا جاتا ہے اور پھر اسکے فائل مجلد محفوظ رکھے جاتے ہیں ۔ اشتہارات دینے والوں کیلئے بہترین موقعہ ہے ÷

ضمیمہ دو صفحے ۱۲ ار سینکڑہ کے حساب سے تقسیم ہو گا اور اُجرت حسب ذیل ہے :۔

سالانہ	ایک صفحہ	۴۰ روپے	نصف صفحہ	۲۳ روپے
چھ ماہ	"	۲۳ روپے	"	۱۲ روپے
تین ماہ	"	۱۲ روپے	"	۷ روپے

فی اشاعت ایک صفحہ ½ چار روپے ÷ نصف صفحہ ½ ۲ روپے ÷ فی سطر ۴ر

مینیجر ریویو اردو قادیان

یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی پانچ تاریخ کو قادیان دارالامان ضلع گورداسپور پنجاب سے شائع ہوتا ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

سچائی باعثِ شہرت ہے

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس۔ کے برمن کا تیار کیا ہوا جادو اثر

داد کا مرہم

ایک مرتبہ کے لگانے سے آرام

غائب

پُرانا سے پُرانا داد اِس مرہم سے ہار مانکر ہمیشہ کیلئے بھاگ جاتا ہے۔ جب آپکو کسی دوا سے فائدہ نہ ہو تب اسکی مالش کیجئے۔ مالش سے جلد میں کسی طرح کی تکلیف نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس میں مُضر رساں اجزا شامل نہیں ہیں۔ یہ نئے وپُرانے داد۔ چھاجن۔ ایرس۔ اور خارش کی نہایت ہی زود اثر و فائدہ پُہنچانے والی لاجواب دوا ہے۔

داد پر چھلی ہوئی جگہ پر مالش کرنے سے جلد میں سوزش نہیں ہوتی۔

قیمت

فی ڈبی چار آنہ ۴ر محصولڈاک چھ آنہ ۶ر

تین ڈبی بارہ آنہ ۱۲ر

محصولڈاک چھ آنہ ۶ر

کلوروڈاین

پیچش۔ مروڑ۔ آنوٗں۔ دست۔ دردِ شکم

کی مجرّب و مشہور دوا

ہندوستان کے لاکھوں مریض اس دوا سے صحتیاب ہو چکے ہیں۔ انگریزوں کی خانگی اور حکیمیہ فائدہ پُہنچانیوالی یہی لاجواب دوا ہے۔ ریاحی درد و مروڑ خواہ کیسے ہی شدت سے ہو۔ اس دوا کے ایک یا دو بار کے استعمال سے رفع ہو جاتی ہے۔ اسہال۔ آنوٗں کے دست پیچش۔ مروڑ۔ دردِ شکم و اینٹھن وغیرہ کیلئے کلوروڈائن بہترین دوا ہے۔ دوسروں کی تیار کی ہوئی کلوروڈائن خریدنے قبل آپ ہماری کلوروڈائن کی آزمائش ضرور کیجئے تب آپ پر خود ہی روشن ہو جائیگا کہ یہ کتنی مفید ہے

قیمت

ایک شیشی نصف اونس۔ آٹھ آنہ ۸ر محصولڈاک چھ آنہ ۶ر

تین شیشی ایک روپیہ سات آنہ ۱عہ

محصولڈاک آٹھ آنہ ۸ر

نوٹ:۔ ہماری ادویات ہر جگہ ملتی ہیں۔ اپنے مقامی ہمارے ایجنٹ دوا فروشوں سے خریدنے سے وقت اور محصولڈاک کی بچت ہو گی۔

ڈاکٹر ایس۔ کے برمن (صیغہ نمبر ۱۱۷) پوسٹ بکس نمبر ۵۵۴۔ کلکتہ

ایجنٹ:۔ شیخ محمد وارث رحمت علی مرچنٹ۔ گورداسپور۔ (پنجاب)